ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
11 تا 17 اپریل 2002ء

☆ سب سے پہلے ''میں'' (تجزیہ)
☆ مسلمانوں کی نجات کا واحد راستہ (عالم اسلام)
☆ دنیا کی حقیر ترین اقلیت اور گلوبل میڈیا (مکتوب شکاگو)
☆ تصویر اور حجاب کے اسلامی احکام (بحث ونظر)

جناب پرویز مشرف

السلام
علیکم

میرا پہلے بھی یہ گمان تھا کہ آپ پاکستان کے ساتھ مخلص ہیں' اور پاکستان کے استحکام اور بہبودی کے دل سے خواہشمند ہیں' اور آپ کی 9 اپریل والی تقریر سے یہ گمان مزید مستحکم ہو گیا ہے — نیز آپ کے مختلف اصلاحی اقدامات سے ممکن ہے کہ عارضی طور پر پاکستان مستحکم بھی ہو جائے اور خوشحال بھی!

لیکن

چونکہ آپ اسلام کو صرف انفرادی زندگی سے متعلق' اور عقائد وعبادات پر مشتمل ''مذہب'' کی حیثیت سے مانتے ہیں' مکمل دستوری وقانونی نظام اور معاشرت' معیشت اور امورِ مملکت پر مشتمل نظامِ عدل اجتماعی یا ''دین حق'' کی حیثیت سے نہیں' بنا بریں آپ کی حکومت کے تسلسل سے قوی اندیشہ ہے کہ پاکستان سیکولرازم کی جانب فیصلہ کن طور پر بڑھ جائے گا۔

لہٰذا

میں اپنے اسلام اور پاکستان کے ساتھ خلوص ومحبت اور خود آپ کی خیر خواہی کی بنا پر لازم سمجھتا ہوں کہ آپ کو متنبہ کر دوں کہ بالآخر اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ پاکستان اپنا جداگانہ وجود برقرار نہیں رکھ سکے گا اور بھارت میں مدغم ہو جائے گا — اس لئے کہ ایک سیکولر پاکستان اپنے بقا کی واحد وجہ جواز (raison d`etre) سے محروم ہو جائے گا! اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجام بد سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین ثم آمین

خدارا اِس معاملے پر سنجیدگی سے غور فرمایئے!

فقط والسلام
خادم قرآن واسلام

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی
وداعی تحریک خلافت پاکستان

سورۃ البقرہ (۶۲)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـــًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝﴾ (آیات: ۱۲۰ تا ۱۲۳)

''اور (اے نبیؐ!) آپؐ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے یہودی اور نہ نصرانی جب تک کہ آپؐ ان کی ملت (کے دین) کی پیروی نہیں کریں گے۔ کہہ دیجئے کہ بے شک اللہ کی ہدایت ہی (اصل) ہدایت ہے' اور اگر آپؐ نے ان کی خواہشات کا اتباع کیا اس کے بعد کہ آپؐ تک صحیح علم آ چکا تھا' تو پھر آپؐ کو اللہ (کی پکڑ) سے بچانے والا نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ مددگار۔ ہم نے جن لوگوں کو کتاب عطا کی ہے' وہ اس کی (اسی طرح) تلاوت کرتے ہیں جیسا اس کی تلاوت کا حق ہے' یہی لوگ (درحقیقت) اس پر ایمان رکھتے ہیں' اور جو کوئی بھی اس کا انکار کرے گا تو وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔ اے بنی اسرائیل! میرے اس انعام کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیا اور میں نے تو تمہیں تمام جہان پر فضیلت دی تھی۔ اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے کچھ کام نہیں آ سکے گا اور نہ ہی کسی سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کوئی سفارش فائدہ پہنچا سکے گی اور نہ ہی انہیں (کسی طرف سے کوئی) مدد مل سکے گی۔''

یہودی علماء مسلسل اس کوشش میں تھے کہ حضور اکرم ﷺ پر ایمان لانے والوں کو کسی طرح دین حق سے برگشتہ کر کے واپس حالت کفر میں لے جائیں۔ مذہبی حوالے سے بڑے بڑے رتبوں پر فائز ہونے کے باعث وہ حد درجہ تکبر اور رعونت میں مبتلا تھے اور یہی امر ان کے قبول اسلام میں رکاوٹ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو احتیاط کی تلقین کرتے ہوئے آگاہ کر دیا کہ یہود و نصاریٰ سے یہ توقع رکھنا کہ وہ آپؐ سے راضی ہو کر ایمان لے آئیں گے' عبث ہے بلکہ اس کے برعکس ان کی تمنا ہے کہ آپؐ ان کے دین کو اختیار کر لیں اور ان کی مذہبی بالادستی کو قبول کر لیں۔ اگرچہ ایسی صورت حال کے پیدا ہونے کا ذرہ برابر بھی امکان نہ تھا لیکن مخالفین کے کان کھولنے کی خاطر حضور اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے سب اہل ایمان کو خبردار کر دیا گیا کہ اگر حق و صداقت کی راہ کو اچھی طرح جان لینے کے بعد بھی یہودیوں اور نصرانیوں کی تقلید کی گئی تو پھر انہیں اللہ کی شدید گرفت اور باز پرس کا سامنا کرنا پڑے گا۔

زیر درس دوسری آیت اس حوالے سے نہایت اہم ہے کہ اس میں قرآن مجید کا حق تلاوت ادا کرنے کا تذکرہ ہے۔ یہ واضح کر دیا گیا کہ جو لوگ واقعی حامل کتاب ہیں' وہ علم و حکمت کے اس عظیم خزانے کی قدر کرتے ہیں اور اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ تلاوت کا صحیح طریقہ کیا ہے' قواعد و قوانین کون کون سے ہیں' آداب تلاوت کیا ہیں' یہ تمام امور مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ صراحت بھی کر دی گئی کہ ان حقوق کو پورا کرنے والے افراد ہی اس کتاب پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی زبان سے تو قرآن حکیم کو مانتا ہو لیکن نہ اس کو پڑھنے پر آمادہ ہو' نہ ہی اسے سمجھنے کی کوشش کرتا ہو اور نہ ہی اس پر عمل کی نیت و کوشش ہو تو حقیقتاً یہ اس کتاب کا کفر کرنا ہی ہے جس کا مرتکب گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتا رہے گا۔

اگلی دو آیات پر وہ بریکٹ بند ہو رہی ہے جس کا آغاز چھٹے رکوع کی ابتدائی دو آیات (۴۷' ۴۸) سے ہوا تھا اور اس طرح بنی اسرائیل سے قرآن کا یہ طویل خطاب یہاں اپنے تکمیل کو پہنچا جس کا آغاز پانچویں رکوع سے ہوا تھا۔ ان میں سے پہلی آیت کو تو جوں کا توں دہرایا گیا ہے جبکہ دوسری آیت چند الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ اس بریکٹ کے اندر کا سارا مواد پانچویں رکوع کے مندرجات سے ضرب کھا رہا ہے جس کا مرکزی مضمون یہود کو دعوتِ ایمان ہے۔

☆ ☆ ☆

بغیر اجازت دوسرے کی چیز استعمال کرنا

چوہدری رحمت اللہ بٹر

فرمانِ نبویؐ

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوْا وَاَصْحَابُهٗ بِامْرَأَةٍ فَذَبَحَتْ لَهُمْ شَاةً وَاتَّخَذَتْ لَهُمْ طَعَامًا فَاَخَذَ لُقْمَةً فَلَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُّسِيْغَهَا فَقَالَ هٰذِهٖ شَاةٌ ذُبِحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ اَهْلِهَا فَقَالَتِ الْمَرْاَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا لَا نَحْتَشِمُ مِنْ آلِ مُعَاذٍ وَلَا يَحْتَشِمُوْنَ مِنَّا نَاْخُذُ مِنْهُمْ وَيَاْخُذُوْنَ مِنَّا [رواہ احمد]

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے چند اصحاب ورفقاء کا ایک خاتون کی طرف سے گزر ہوا (اس نے آپؐ سے کھانا تناول فرمانے کی درخواست کی۔ آپؐ نے قبول فرمائی)۔ اس نے ایک بکری ذبح کی اور کھانا تیار کیا۔ آپؐ نے اس میں سے ایک لقمہ لیا مگر اس کو آپؐ حلق سے نہیں اتار سکے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا (معلوم ہوتا ہے کہ) یہ بکری اصل مالک کے اذن کے بغیر ذبح کی گئی ہے۔ اس خاتون نے عرض کیا ہم لوگ (اپنے پڑوسی) معاذ کے گھر والوں سے تکلف نہیں کرتے' ہم ان کی چیز لے لیتے ہیں اور وہ ہماری چیز لے لیتے ہیں۔''

اس واقعہ میں یہ بات قابل غور ہے کہ بکری نہ چرائی گئی تھی نہ غصب کی گئی تھی بلکہ باہمی اعتماد کی بنیاد پر اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی اور پڑوسی کی بکری ذبح کر لی گئی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ خاص عنایت کا ظہور ہوا کہ آپؐ اسے حلق سے نیچے نہیں اتار سکے اور یہ سبق بھی مل گیا کہ بغیر اجازت کے دوسروں کی چیز استعمال کرنے میں احتیاط برتنی چاہئے خواہ باہم اعتماد ہی کیوں نہ ہو۔

اداریہ

حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوشتۂ دیوار

صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کی ۵/اپریل کی نشری تقریر اور پھر ۹/اپریل کو لاہور میں مینار پاکستان کے سائے تلے منعقدہ جلسۂ عام میں خطاب کے دوررس اور عمیق سیاسی مضمرات وعواقب سے قطع نظر ایک چیز بالکل ظاہر و باہر ہے اور وہ یہ کہ وہ آئندہ کم از کم پانچ سال تک کے لئے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ایک بااختیار صدر کی حیثیت سے ملک کو دوٹوک انداز میں عریاں سیکولرازم کی راہ پر گامزن رکھنے کا عزم مصمم رکھتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے اپنے اس پہلے عوامی خطاب میں جسے دراصل ان کی ریفرنڈم مہم کا نقطۂ آغاز کہنا غلط نہ ہوگا' ایک خالص ''سیاسی بیان'' کے طور پر سیاست اور دین کو ساتھ ساتھ چلانے کا عندیہ دیا ہے لیکن ان کے اب تک کے رویئے' طرز عمل اور انداز فکر کو اگر مدنظر رکھا جائے تو ان کا یہ حالیہ بیان ''بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر'' کا مصداق ہی ٹھہرے گا جس کا ان کے مجموعی مزاج' سوچ' سابقہ طرز عمل اور آئندہ کے نقشہ کار سے دور کا بھی واسطہ نہیں!

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پاکستان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اقوام عالم میں یہ واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر قائم ہوا۔ گویا ''اسلام ترا دیس ہے' تو مصطفوی ہے'' کا جامہ پورے طور پر مسلمانانِ پاکستان پر راست آتا ہے۔ ''اسلام'' کو پاکستان کی بنیاد و اساس ہی کی نہیں' واحد وجۂ جواز کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ دوسری جانب یہ بھی امر واقع ہے کہ سیکولرازم اسلام کی ضد ہے۔ سیکولرازم کی چھتری تلے بے شمار مذاہب تو سما سکتے ہیں کہ ان میں باہم مطابقت پذیری موجود ہے' لیکن سیکولرازم اور اسلام کی مثال دو بادشاہوں کی ہے جو ایک راجدھانی میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اگر کسی ملک کا اجتماعی نظام سیکولرازم کی بنیاد پر استوار ہو گا تو وہ ایک غیر اسلامی حکومت ہو گی خواہ وہاں بسنے والوں کی غالب اکثریت مسلمانوں پر ہی مشتمل ہو۔ وہاں اسلام دین کی حیثیت سے نہیں' محض ایک مذہب کے طور پر ایک مغلوب اور محکوم قوت کی حیثیت میں باقی رہ سکتا ہے۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی!

اسی طرح جس ملک میں حقیقی اسلامی نظام قائم وغالب ہو جائے وہاں سیکولرازم کی عملداری کا کوئی امکان نہیں۔ ایک سچی اسلامی ریاست میں سیکولرازم کا وجود ایک مردہ نظریئے کی حیثیت سے صرف کتابوں میں مسطور مل سکتا ہے' اس سے زیادہ وہاں اس کا کوئی مقام نہیں۔

کسی ملک کی اساس' بنیاد اور وجۂ جواز اگر کمزور پڑ جائے تو وہ ملک نہ صرف یہ کہ عدم استحکام کا شکار ہو جاتا ہے بلکہ اس کی سالمیت اور بقا بھی شدید طور پر معرض خطر میں آ جاتی ہے ---- کیا یہی کچھ معاملہ پاکستان کے ساتھ نہیں ہے؟ ---- مملکت خداداد پاکستان کو ایک صحیح اسلامی ریاست کے قالب میں ڈھالنے کی بجائے ہم نے اول روز سے سیکولر طرز فکر کو فوقیت دی اور ''چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی'' کے اصول کے مطابق پوری دنیا میں رائج اس طاغوتی طرز فکر کے فروغ اور اس ابلیسی نظام کی ترویج پر کمربستہ ہو گئے ---- نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ دین اسلام سے بے وفائی اور ہماری بداعمالیوں کے نتیجے میں اپنے قیام کے چوبیسویں برس پاکستان دولخت ہو گیا' ملکی سالمیت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی' رقبے کے لحاظ سے کم لیکن آبادی کے لحاظ سے بڑا حصہ مستقلاً جسدِ قومی سے کٹ گیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک ''باقی ماندہ'' پاکستان بھی مسلسل مختلف بحرانوں سے نبرد آزما اپنی سالمیت اور بقا کی جنگ لڑ رہا ہے ---- نہ اب تک اسے سیاسی استحکام نصیب ہو سکا ہے' نہ آج تک اقتصادی میدان میں یہ خود کفالت کی منزل سے ہمکنار ہو سکا ہے' نہ اس کی منزل آج تک معین ہو سکی ہے' نہ اس کی قبلے کا کوئی صحیح اور مستقل تعین آج تک ہو سکا ہے۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اکثر قومی وملکی امور میں ہم اپنی آزادی سے عملاً دستبردار ہو چکے ہیں۔ اقتصادی اعتبار سے ہم آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے غلام ہیں' سیاسی وعسکری امور میں ہم امریکہ کے در کے سوالی اور تابع مہمل ہیں۔ قومی اعتبار سے ہمارا وجود دیمک زدہ ہو کر کھوکھلا ہو چکا ہے اور ہم اس خود فریبی کا شکار ہیں کہ ہم آزاد اور ''باوقار'' قوم ہیں۔ چنانچہ پاکستان کے مستقبل کے بارے میں رائے زنی کرنا اور اس کی بقا کے حوالے سے گاہے بگاہے منفی پیشین گوئیاں کرتے رہنا عالمی اداروں کا شعار بن چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ امتیازی معاملہ پاکستان کے ساتھ ہی کیوں ہے' دنیا کے دوسرے ممالک کے ساتھ کیوں نہیں ہے؟ ---- اس کا جواب بالکل واضح ہے۔ پاکستان کا استحکام اور اس کی بقا صرف اور صرف اسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ سیکولر طرز حیات اس کے لئے ''موت'' سے کم نہیں ---- لیکن نہایت جلی حروف میں درج اس نوشتۂ دیوار کو نہ پڑھنے کا ہم تہیہ کئے بیٹھے ہیں۔ اس کھلی حقیقت سے صرف نظر اور غض بصر کو ہم روشن خیالی کا نام دیتے ہیں۔ قوم کی ایک عظیم اکثریت اسی روشن خیالی کا شکار ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قابل احترام صدر بھی اگر اسی روشن خیالی کے اسیر ہیں تو اس میں تعجب کی بات کون سی ہے! ---- تاہم یہ معاملہ ہے انتہائی تشویشناک' اور یہ صورت حال ملک میں اسلام کے نام لیوا طبقات اور دینی جماعتوں کے لئے ایک بڑے لمحۂ فکریہ سے کم نہیں!! ---- آئندہ شمارے میں اسی پر گفتگو ہو گی۔ ان شاء اللہ!

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد 11 شمارہ 14

11 تا 17 اپریل 2002ء
(۲۷ محرم تا ۳ صفر ۱۴۲۳ھ)

بانی : اقتدار احمد مرحوم

مدیر : حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خراسانی

معاونین: مرزا ایوب بیگ ' سردار اعوان
محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت : شیخ رحیم الدین

پبلشر: اسعد احمد مختار ' طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور
مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 03-5869501 فیکس: 5834000
E-Mail:anjuman@tanzeem.org
Website:www.tanzeem.org

قیمت : 5 روپے
سالانہ زر تعاون
اندرونِ ملک 250 روپے
بیرونِ پاکستان:
☆ یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ
......1500 روپے
☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ
......2200 روپے

سب سے پہلے ”میں“

تجزیہ نگار کے نقطۂ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

ابوالحسن

جمعہ کی شام ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے جنرل مشرف نے وردی اتارے بغیر میدان سیاست میں داخل ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ قوم بتائے کہ آیا پاکستان کو میری ضرورت ہے اور اس کے لئے مئی کے پہلے ہفتہ میں ریفرنڈم کرانے کا اعلان کیا۔ ایک سیاسی امیدوار کی طرح انہوں نے اپنی اڑھائی سالہ حکومت کی کارکردگی کو تفصیل سے بیان کیا اور اس کی بنیاد پر عوام سے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اپنی حکومت کی متعارف کردہ اصلاحات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہماری حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ زوال پذیر بلکہ جاں بلب معیشت کو صحیح ٹریک پر لانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے جس سے زرمبادلہ کے ذخائر میں قابل ذکر اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان جو سابقہ حکومتوں کی لوٹ کھسوٹ سے دیوالیہ ہونے کو تھا' اس کی معیشت اب مستحکم ہونا شروع ہو گئی ہے۔ غیر ملکی حکومتوں اور سرمایہ کاروں کا اعتماد بحال ہونا شروع ہوا ہے۔ ناموافق حالات کے باوجود تجارتی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا ہے۔ بھاری شرح سود پر حاصل کئے گئے زیادہ تر قرضے واپس کر دیئے گئے ہیں۔ ریلوے' جو مدت سے خسارے میں چل رہی تھی' اللہ کے فضل سے اس کا خسارہ ختم ہو گیا ہے۔ پی آئی اے نے اس مرتبہ بھاری منافع کمایا ہے۔ پاکستان سٹیل مل جو سیاسی دہشت گردی کا شکار ہو کر تباہ حال تھی' اس نے پہلی مرتبہ منافع دیا ہے۔ بجلی کے وہ معاہدے جو واپڈا ہی کو نہیں بلکہ پورے ملک کی معیشت کو غرق کر رہے تھے' ان میں ہماری حکومت کی کوششوں سے تبدیلی ہوئی اور واپڈا تباہ ہونے سے بچ گیا۔ انہوں نے سیاست دانوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وہ عوام کو گمراہ کرنے کے لئے روٹی' کپڑا اور مکان کا نعرہ لگاتے رہے ہیں جبکہ درحقیقت عوام کے خزانے کو لوٹ کر غیر ممالک میں اپنے لئے بنگلے اور محل بناتے رہے۔ وہ جمہوریت کا راگ الاپتے رہے لیکن عملاً جمہوریت کا گلہ گھونٹتے رہے۔ وہ عوام کو طاقت کا سرچشمہ قرار دیتے تھے لیکن اقتدار کو منتقل نہیں کرتے تھے بلکہ اسے اپنی ذات میں مرتکز کرتے تھے۔ گراس روٹ لیول تک اقتدار ہم منتقل کر رہے ہیں۔ ہم نے انگریز کے قائم کردہ بیوروکریسی کے نظام پر کاری ضرب لگائی ہے۔ کمشنری سسٹم ختم کیا اور ضلعی حکومتیں قائم کی ہیں۔ انہیں عوام براہ راست منتخب کریں گے اور انہی کے سامنے یہ جواب دہ ہوں گی۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں کرپشن سرطان کی طرح پھیلی ہوئی تھی اور لاعلاج نظر آتی تھی' لیکن ہم نے کم از کم بالائی سطح پر اس کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا ہے۔ خواتین کو پہلی مرتبہ ان کا صحیح مقام دیا گیا ہے اور اسمبلیوں میں ان کی نمائندگی ۳۳ فیصد تک بڑھا دی گئی ہے۔ ہم نے اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر مخلوط انتخابات کو رائج کیا ہے۔ انہوں نے اپنے ”غربت مکاؤ پروگرام“ کا ذکر بڑے جذباتی انداز میں کیا اور کہا کہ اس پروگرام کے لئے کئی ارب روپے مختص کئے گئے ہیں۔ انہوں نے سیاست دانوں پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ ریفرنڈم غیر آئینی نہیں' مجھے سپریم کورٹ نے تین سال کا مینڈیٹ دینے کے علاوہ آئین میں مناسب ترمیم کرنے کا حق بھی دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں فوجی ہوں اور ”یونٹی آف کمانڈ“ میں یقین رکھتا ہوں۔ میں مستقبل کے وزیراعظم کو مکمل اختیارات دوں گا البتہ ایک نیشنل سپریم کونسل قائم کی جائے گی جو وزیراعظم' صدر اور آرمی چیف کی نگرانی کرے گی اور طاقت کا توازن قائم رکھنے کے لئے بہت مفید ثابت ہو گی۔ انہوں نے آبادی میں بے تحاشا اضافہ کو ایک بڑا سنگین مسئلہ قرار دیا اور بڑی نفرت اور حقارت سے اس نظریہ کو ٹھکرا دیا کہ فیملی پلاننگ ایک غیر اسلامی فعل ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر فوجی دور میں بعض ایسے امور پر جنگی بنیادوں پر کام کیا گیا جو عام حالات میں سول اور سیاسی حکومتوں کے لئے آسان نظر نہیں آتے تھے۔ ایوب خان کے دور میں صنعت و حرفت پر بڑی توجہ دی گئی' ڈیم بنائے گئے۔ ضیاء الحق کے دور میں اسلامائزیشن پر زور رہا اور سوویت یونین سے بالواسطہ تصادم ہوا جس کے نتائج ناقابل یقین حد تک حیرت انگیز تھے۔ لیکن نتائج کے اعتبار سے یہ دونوں فوجی ادوار پاکستان کے لئے تباہ کن ثابت ہوئے۔ جنرل پرویز مشرف نے روبہ زوال معیشت کو سہارا دیا ہے۔ ریلوے' پی آئی اے' واپڈا' پی ٹی وی اور سٹیل ملز کو نئی زندگی عطا ہوئی ہے اور یہ نفع بخش اداروں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ ۱۱ ستمبر کو جب یہودی سازش کے نتیجے میں امریکہ غضبناک ہو کر ہر شے کو تہس نہس کرنے پر تلا ہوا تھا' جنرل مشرف نے اپنے تئیں ایسی حکمت عملی اختیار کی جس سے پاکستان شیر کے منہ میں جانے سے بچ گیا۔ آیئے اب ان دعوؤں کی روشنی میں جنرل صاحب کی تقریر کا تجزیہ کریں۔

سب سے پہلی اور نہایت افسوسناک بات یہ ہے کہ ایک ایسا جرنیل جو صاف اور کھری بات کہنے کی شہرت رکھتا تھا' سیاست کے میدان میں داخل ہوتے ہی دروغ گوئی پر اتر آیا اور منافقت کا شکار ہو گیا۔ جنرل مشرف کا یہ خطاب تضادات سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں آئین کی خلاف ورزی نہیں کروں گا حالانکہ کسی باوردی شخص کا ملک کی صدارت سنبھالنا ہی آئین کے ساتھ مذاق ہے۔ پھر یہ کہ آئین کے آرٹیکل ۴۸ کی ذیلی شق ۶ یہ واضح کرتی ہے کہ صدر مملکت اپنی صوابدید یا وزیراعظم کے مشورے پر کسی ایسے اہم مسئلہ پر ملک میں ریفرنڈم کے ذریعے عوامی رائے حاصل کر سکتے ہیں جس کا حل آئین میں موجود نہ ہو۔ آئین میں کہیں یہ درج نہیں کہ ریفرنڈم میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں ”ہاں“ پر نشان لگانے سے فلاں شخص صدر منتخب ہو جائے گا۔ آئین کے مطابق آرمی چیف' سیکرٹری دفاع کے ماتحت ہوتا ہے اور وزیر دفاع' وزیراعظم اور صدر مملکت کا شمار اس کے افسران بالا میں ہوتا ہے۔ لیکن جب ایک ہی شخص بیک وقت آرمی چیف اور صدر مملکت ہو گا تو کیسی مضحکہ خیز صورت حال ہو گی! صدر صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے سپریم کورٹ نے آئین میں ترمیم کا حق دیا ہے' سوال یہ ہے کہ جس ادارے کو خود آئین میں ترمیم کا حق نہیں وہ یہ حق کسی دوسرے کو کیسے دے سکتا ہے! عدلیہ کا کام آئین کی

تشریح ہے' اس میں ترمیم کرنا نہیں۔ صدر نے اپنی تقریر میں کہا کہ میں ضیاء الحق نہیں ہوں کہ ریفرنڈم کے لئے احمقانہ سوال عوام کے سامنے پیش کروں۔ لیکن عملاً ایسا نہیں ہوا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ضیاء الحق کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ مسلمان ہیں تو میں پانچ سال کے لئے صدر ہوں اور جنرل مشرف کے سوال سے مراد یہ ہے کہ اگر آپ پاکستانی ہیں تو میں پانچ سال کے لئے صدر بن جاؤں گا۔

جہاں تک معیشت کے بہتر ہونے کے دعویٰ کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض سرکاری ادارے نقصان کی بجائے نفع دینے لگے ہیں لیکن کسی ملک کی معیشت محض چند کارپوریشنوں کے نفع بخش ہونے سے نہیں سنبھل سکتی۔ ملکی معیشت صنعت اور تجارت سے منسلک ہوتی ہے۔ موجودہ حکومت کی احمقانہ ٹیکس پالیسی سے بیرونی سرمایہ کاری کیا ہوتی' ملک کے سرمایہ دار اپنا سرمایہ لے کر باہر بھاگ نکلے ہیں۔ تجارت ٹھپ ہو گئی اور سٹاک ایکسچینج بیٹھ گیا ہے۔ ڈالر کا ریٹ اگر زرمبادلہ زیادہ کمانے کی وجہ سے کم ہوتا تو قابل مبارک باد تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۱۱ر ستمبر کے حادثے کے بعد بڑوں کی غلامی سے جو امداد ملی اس سے ڈالر کا ریٹ کم ہوا اور یہ صورت حال یقیناً عارضی ہے۔ صنعت کا پہیہ جام ہو اور تجارت کساد بازاری کا شکار ہو تو معیشت کیسے مستحکم ہو گی! یہ کوئی ایسا کام نہیں جو ''آرڈر آف دی ڈے'' سے ہو جائے بلکہ اس کے لئے پالیسی کی یکسانیت اور شدید محنت کی ضرورت ہے۔ جنرل صاحب نے ایک ہی سانس میں کہہ دیا کہ میں ''یونٹی آف کمانڈ'' میں یقین رکھتا ہوں اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ میں حقیقی جمہوریت لا رہا ہوں' حالانکہ جمہوریت کا مزاج اقتدار میں شراکت ہے۔ وہ فرد واحد کو نہیں' اداروں کو مضبوط کرتی ہے۔ صدر صاحب نے کہا کہ میں وزیر اعظم کو مکمل اختیارات دوں گا اور اسے طاقتور بناؤں گا جبکہ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں وزیر اعظم کو من مانی نہیں کرنے دوں گا' اگر کوئی بات قومی مفاد کے خلاف ہو گی تو میں فوراً مداخلت کروں گا۔ سوال یہ ہے کہ یہ فیصلہ کون کرے گا کہ وزیر اعظم کا کوئی فعل قومی مفاد میں ہے یا اس کے خلاف! ظاہر ہے وزیر اعظم جو کچھ بھی کرے گا وہ اسے قومی مفاد قرار دے کر ہی کرے گا لہٰذا ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۹ء تک جمہوریت کے نام پر بلی چوہے کا جو کھیل ہوتا رہا' وہ ایک بار پھر شروع ہو جائے گا اور عوام تماشا دیکھیں گے۔

انہوں نے سیاست دانوں کے دولت کمانے اور بیرون ملک عیش کرنے کا ذکر بھی کیا۔ یہ بات اگرچہ بالکل درست ہے لیکن جنرل صاحب کو ان جرنیلوں کا حساب بھی کرنا چاہئے جو اندرون ملک اور بیرون ملک بے تحاشہ دولت رکھتے ہیں۔ جنرل صاحب نے اپنے ''غربت مکاؤ پروگرام'' کا ذکر بڑے زور و شور سے کیا اور غریب کو گلے لگانے کے لئے اپنی بے تابی کا اظہار بھی کیا۔ جنرل صاحب! آپ غریب کے لئے یقیناً بہت کچھ کرنا چاہتے ہوں گے لیکن ذرا یہ تو ارشاد فرمائیں کہ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۹۹ء سے آج تک آپ نے بے شمار لوگوں کو چھانٹیوں کے ذریعے روزگار سے کیوں محروم کیا' بنیادی ضروریات کی کئی اشیاء پر سبسڈی ختم کر کے غریب کا بجٹ کیوں تلپٹ کیا' اتنے سارے نئے ٹیکس کیوں لگائے اور یوٹیلٹی بل بڑھاتے ہی کیوں چلے گئے؟ خدارا سوچئے تو سہی' یہ ''غربت مکاؤ پروگرام'' کہیں ''غریب مکاؤ پروگرام'' تو نہیں بن رہا۔ نچلی سطح پر اختیار و اقتدار کی منتقلی کی مخالفت کون احمق کر سکتا ہے لیکن ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ عوام کو یہ فائدہ تو نہیں پہنچ سکے گا کہ ان کے مسائل مقامی سطح پر حل ہونا شروع ہو جائیں البتہ ٹیکس لگانے کے لئے مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے علاوہ ضلعی حکومت کے نام سے ایک اور حکومت ان کے سر پر سوار ہو جائے گی۔ پھر یہ کہ ضلعی حکومتوں کے فنڈز عوامی بھلائی کے لئے خرچ ہونے کی بجائے سرکاری جلسوں میں صدر اور وزیر اعظم کو ''جی آیاں نوں'' کہنے میں خرچ ہوں گے۔ آپ کے ریفرنڈم کا پہلا جلسہ لاہور کی ضلعی حکومت کے خزانہ کو یقیناً چٹ کر گیا ہو گا! جنرل صاحب! اس بات پر حیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ آپ نے بھارت کے ساتھ تعلقات کے حوالہ سے کشمیر کو ''کور ایشو'' قرار دینے پر جو شہرت پائی تھی اس اہم خطاب میں اس ''کور ایشو'' کا ذکر تک نہیں ہے' حالانکہ سیاسی اکھاڑے میں اترنے کے بعد یہ آپ کا پہلا خطاب تھا۔ جنرل صاحب! آپ کی تقریر کا بدنما ترین پہلو وہ تھا جس میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ آپ کے دور حکومت میں عالمی سطح پر قومی وقار بلند ہوا اور پاکستان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا ہے۔ یہ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے شاید سب سے بڑا جھوٹ تھا۔ آپ نے ۱۱ر ستمبر کے بعد افغانستان کے مسئلہ پر جس طرح ''یو ٹرن'' لیا' اس پر بحث ہو سکتی ہے لیکن یہ بات بعید از عقل ہے کہ امریکی فوجیوں کے پاک سرزمین کو روند دینے سے پاکستان کا وقار کیسے بلند ہوا! پاکستان کے اندرونی معاملات میں امریکی حکومت کی روز افزوں مداخلت پاکستان کے وقار میں اضافہ کا باعث نہیں بنے گی بلکہ ہماری آزادی اور خودمختاری کا خاتمہ کر دے گی۔

آخر میں راقم یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ اللہ جانے ہمارے حکمرانوں کو یہ مشورہ کون دیتا ہے کہ دو چار عظیم الشان جلسے منعقد کرنے سے آپ کی مقبولیت سے دنیا مرعوب ہو جائے گی۔ لہٰذا ویگنوں اور بسوں کی پکڑ دھکڑ کر کے اور سرکاری ملازموں کی جلسہ گاہ میں حاضری لگا کر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ عوام میں ان کی مقبولیت دنیا پر عیاں ہو گئی ہے۔ راقم پورے وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ لاہور کے جلسہ کو کامیاب بنانے کے لئے سرکاری درباری لوگوں نے جو ہتھکنڈے استعمال کئے' ان سے صدر مشرف کی مقبولیت کا گراف اوپر جانے کی بجائے تنزلی کا شکار ہوا ہے۔ ایک طرف تو وسائل کے نہ ہونے اور خزانہ کے خالی ہونے کا رونا رویا جاتا ہے' جس کی وجہ سے عام آدمی کو ریلیف نہیں دیا جا سکتا جبکہ دوسری طرف سرکاری خزانے سے ایک جلسہ پر کروڑوں روپے صرف کر دیئے گئے ہیں' اخبارات اشتہارات سے بھرے ہوئے ہیں اور سڑکیں بینروں سے اٹی ہوئی ہیں۔ جنرل صاحب! آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ صدر آپ بنیں اور چھری غریب کی گردن پر چل جائے! یہ ظلم ہے۔ یہ عوامی خزانے پر ڈاکہ ہے۔ یہ خیانت اور بددیانتی ہے۔ جنرل صاحب! اگر آپ اپنا انجام پہلے حکمرانوں سے مختلف چاہتے ہیں تو ان سے مختلف کام کریں۔ آپ ترجیحات قائم کرنے کے بڑے قائل ہیں۔ اگر آپ نے ''سب سے پہلے میں'' کو ترجیح اول کے طور پر اختیار کر لیا ہے تو سن لیجئے کہ اللہ کے ہاں دیر ہے' اندھیر نہیں!

● ● ● ●

علامہ اقبال کا پیغام

زمن باصوفی و ملا سلامے
کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولی تاویل شان در حیرت انداخت
خدا و جبرائیل و مصطفیٰ (ﷺ) را

''میری طرف سے صوفی و مولوی حضرات کی خدمت میں سلام عرض کریں کہ ان لوگوں نے اللہ رب العزت کا پیغام ہم تک پہنچایا لیکن ان حضرات کی تاویلوں نے اللہ رب العزت و حضرت جبرائیل اور نبی مکرم ﷺ کو حیران کر دیا۔''

تصویر اور حجاب کے اسلامی احکام
— اور —
ٹیلی ویژن

ڈاکٹر اسرار احمد

اس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ جاندار مخلوق کی تصویر کشی کی شدید ممانعت نبی اکرم ﷺ سے صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے اور جب ہم یہ جانتے اور مانتے ہیں کہ ''بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست'' اور ''اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست'' تو ہمیں نبی اکرم ﷺ کے فرمانِ مبارک کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے چاہئیں اور آپؐ کے حکم کو اس شان کے ساتھ تسلیم کرنا چاہئے جس کا نقشہ سورۂ نساء میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

''تیرے رب کی قسم یہ لوگ ہرگز مومن نہ قرار پائیں گے جب تک کہ جو معاملہ بھی ان کے مابین اٹھ کھڑا ہوا اس میں آپؐ ہی کو آخری حکم تسلیم نہ کریں اور پھر جو فیصلہ آپؐ فرما دیں اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں!''

لیکن ایک عملی مسئلہ اس حقیقت کے پیشِ نظر پیدا ہوتا ہے کہ دورِ نبویؐ میں کیمرہ موجود نہ تھا اور تصویریں صرف ہاتھ سے بنائی جاتی تھیں لہٰذا جہاں تک جاندار مخلوقات کی ہاتھ سے بنائی جانے والی تصویر کا تعلق ہے اس کی حرمت تو نص قطعی سے ثابت ہوگئی اور اس پر پوری امت کے اہلِ علم کا اتفاق ہے البتہ کیمرہ کے ذریعے محفوظ کئے جانے والے عکس کا معاملہ چونکہ نیا تھا اس لئے اس کے بارے میں اختلاف پیدا ہوگیا۔

تقریباً تمام عالمِ عرب کے علماء کی متفقہ رائے یہ بنی کہ کیمرہ کے ذریعے محفوظ کیا جانے والا عکس ''تصویر'' کے حکم میں نہیں ہے لہٰذا حرام نہیں' جائز ہے۔ چنانچہ اسی پر پورے عالم عرب میں تعامل رہا۔ البتہ برصغیر پاک و ہند کے علماء کرام کی اکثریت کی رائے یہ ہوئی کہ یہ بھی تصویر کے حکم میں داخل ہے لہٰذا اس پر بھی نبی اکرم ﷺ سے منقول ممانعت کا اطلاق ہوتا ہے۔ البتہ جہاں تک کسی ناگزیر تمدنی ضرورت کا تعلق ہے جیسے شناختی کارڈ' پاسپورٹ یا ڈرائیونگ لائسنس وغیرہ میں تصویر کا استعمال یا جرائم کی تفتیش یا طبی تعلیم کے ضمن میں تصاویر سے استفادہ' تو ایسے معاملات میں ان حضرات نے بھی '' الضرورات تبیح المحذورات'' یعنی ''ناگزیر ضرورتوں کی بنا پر ممنوع چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں'' کے اصول کے تحت تصویر کے استعمال کو جائز قرار دیا۔

ہندوستان کے علمی حلقوں میں سے مولانا ابوالکلام آزاد نے تصویر کے ضمن میں پورے شرح صدر کے ساتھ عالمِ عرب کے علماء کی رائے سے اتفاق بھی کیا اور پوری جرأت کے ساتھ اس پر عمل بھی کیا۔ چنانچہ بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے کے دوران جو رسائل ''الہلال'' اور ''البلاغ'' کے نام سے مولانا مرحوم کے زیر اہتمام وزیر ادارت شائع ہوئے' وہ باتصویر تھے۔ برصغیر کے علماء نے اگرچہ اسے اصلاً غلط سمجھا لیکن بہرحال اسے کوئی بڑا فسق و فجور بھی قرار نہ دیا' ورنہ ظاہر ہے کہ ۱۹۲۰ء میں مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی جانب سے مولانا مرحوم کو ''امام الہند'' قرار دیئے جانے کی تجویز کی تائید نہ ہوتی اور نہ ہی مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلوی ایسے علماء کبار اس ضمن میں کوشاں اور فعال رہتے۔

دورِ حاضر میں برصغیر پاک و ہند کے بعض علماء بالخصوص وہ جو سیاسی میدان میں بھی سرگرم ہیں' ان کی یہ دو عملی بھی مشاہدے میں آئی کہ خالص مسئلہ کے اعتبار سے تو ان کی رائے علی حالہٖ قائم رہی لیکن عملاً ان کا رویہ یہ رہا کہ نہ صرف جلسہ ہائے عام کی تصویروں کے ضمن میں ان کے فوٹو کثرت سے اخبارات کی زینت بنے بلکہ ان کی اپنی ورکنگ کمیٹیوں اور مجالس ہائے مشاورت کی تصاویر بھی اخبارات میں شائع ہوئیں اور یہ ظاہر ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر ممکن نہ تھا۔

امورِ مندرجہ بالا کے پیش نظر معتدل رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ:

الف) جاندار چیزوں کی تصویر ہاتھ سے بنانا شریعتِ اسلامی کی رو سے بالاتفاق حرام ہے۔

ب) کیمرے کے ذریعے محفوظ کئے جانے والے عکس کے ضمن میں اگر کوئی ناگزیر تمدنی ضرورت موجود نہ ہو اور یہ محض شوقیہ یا یادگار کے طور پر ہو تو اس کے مکروہ ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے' البتہ علماء پاک و ہند کے نزدیک یہ بھی حرام مطلق ہے۔ واضح رہے کہ علماء عرب کی اکثریت بھی فوٹو کے البم بنا کر بطور یادگار رکھنے یا انہیں بطور تعظیم دیواروں پر آویزاں کرنے کو درست نہیں سمجھتی۔

ج) البتہ جہاں کسی تمدنی ضرورت کا داعیہ موجود ہو وہاں اسے جائز قرار دیا جائے گا۔

اسی کی ذیل میں ''مصلحت دینی'' کا معاملہ بھی آ جائے گا۔ یعنی یہ کہ اگر دین اور اس کی دعوت و تبلیغ یا نشر و اشاعت کی کوئی مصلحت داعی ہو تو اس کے لئے بھی تصویر کا استعمال جائز ہوگا۔ شاید اسی اصول کے تحت سیاسی میدان میں فعال علماء کرام نے اپنی یا اپنے اجتماعات اور جلسوں کی تصویروں کی اشاعت کو جائز سمجھا ہو! بہرحال ٹیلی ویژن کا معاملہ یقیناً اس کے ذیل میں آتا ہے' اس لئے کہ یہ دورِ حاضر کے ذرائع ابلاغ میں مؤثر ترین ذریعہ ہے اور اگر کفر و الحاد کی نشر و اشاعت کے لئے تو یہ ذریعہ مستعمل ہو لیکن ایمان و اسلام کی دعوت و تبلیغ کو اس سے محروم رکھا جائے تو نتیجہ یقیناً کفر کے حق میں جائے گا۔

البتہ ستر و حجاب کا معاملہ مختلف ہے۔ ٹیلی ویژن تو تلوار کی مانند ایک ہتھیار ہے۔ جس طرح تلوار صحیح مقصد کے لئے بھی استعمال ہو سکتی ہے اور غلط مقصد کے لئے بھی' اسی طرح ٹیلی ویژن کو ٹھیٹھ اسلامی ثقافت کے فروغ کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور ملحدانہ اور اباحیت پرستانہ طرز زندگی کے رواج کے لئے بھی۔

اس ضمن میں جہاں تک ڈراموں اور تمثیلوں کا تعلق ہے' یہ ایک جداگانہ بحث ہے کہ اسلامی ثقافت میں ان کی گنجائش ہے یا نہیں! میری رائے میں اسلامی تمدن و ثقافت میں ''اداکاری'' کے پیشے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور میں ان اصحابِ علم سے متفق ہوں جن کی رائے میں اسلامی معاشرے میں فلمیں یا ٹیلی ویژن صرف واقعات و حقائق کو پیش کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں' یعنی دستاویزی فلمیں ہوں یا براہِ راست ٹیلی کاسٹنگ!

جہاں تک ٹیلی ویژن پر خواتین کے اناؤنسر وغیرہ کے طور پر آنے کا سوال ہے' اس کا تعلق اس سے ہے کہ

آیا حجاب شرعی کے حکم میں چہرہ بھی شامل ہے یا نہیں! جن لوگوں کی رائے دیانتاً یہ ہو کہ چہرے کا پردہ لازم نہیں ہے' ان کے نزدیک پورے ساتر لباس کے ساتھ کسی خاتون کا ٹیلی ویژن پر آنا جائز ہوگا۔ میں چونکہ چہرے کے پردہ کا بھی شدت سے قائل ہوں لہٰذا میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔

لیکن کسی مرد کا ٹیلی ویژن پر آنا تو کسی طور سے بھی قابل اعتراض نہیں (اِلّا یہ کہ کوئی شخص فی نفسہٖ ٹیلی ویژن ہی کے جواز کا قائل نہ ہو اور اسے حرام قرار دے)۔ یہ تو بالکل ایسے ہی ہوگا کہ کوئی شخص '' و قرن في بيوتكن '' یعنی '' اے خواتین تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو'' کے قرآنی حکم کا اطلاق مردوں پر بھی کرے۔ ظاہر ہے کہ '' حجاب'' کا حکم خواتین کو ہے' مردوں کو نہیں۔ اور کٹر سے کٹر باپردہ خاتون بھی اگر کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلے گی تو خواہ وہ خود نقاب ڈالے ہوئے ہو لیکن راستہ چلتے ہوئے نامحرم مردوں پر اس کی نظر پڑنا ناگزیر ہے۔ اس ضمن میں مَیں صرف درخواست ہی کر سکتا ہوں کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ سے ڈریں اور شعائرِ اسلامی کے استہزاء سے باز رہیں۔ شریعت کے احکام کو حتی الامکان معروضی طور پر سمجھنے کی کوشش کریں اور اگر ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نہ پائیں تو کم از کم ان کے قطع و برید اور ان کو توڑنے اور مروڑنے اور ان کے تمسخر و استہزاء سے تو باز رہیں۔

ویسے بھی کسی مرد کے کسی نامحرم عورت کو دیکھنے اور کسی عورت کے کسی نامحرم مرد کو دیکھنے کے مابین نفسیاتی اعتبار سے زمین و آسمان کا فرق ہے' اس لئے کہ '' نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد' خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد'' کے مصداق استثنائی معاملات سے قطع نظر' مرد کی فطرت میں فعل و اقدام ہے اور عورت کی فطرت میں تاثر و انفعال! بنا بریں کسی مرد کے لئے نامحرم عورت کے دیکھنے میں جس قدر فتنہ مضمر ہے اتنا عورت کے نامحرم مرد کو دیکھنے میں نہیں ہے۔

تاہم عام حالات میں اور بلا کسی ضرورت یا مجبوری کے کسی عورت کے لئے بھی از روئے شریعت جائز نہیں کہ کسی نامحرم مرد کو دیکھے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے جب ازواج مطہرات کو حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ سے پردہ کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے عرض کیا کہ: '' حضورؐ! وہ تو نابینا ہیں!'' تو آپؐ نے فرمایا: '' وہ نابینا ہیں لیکن تم تو نابینا نہیں ہو!'' یہ معاملہ اس صورت میں مزید شدید ہوگا جبکہ اس نامحرم کا گھر میں آنا جانا عام ہو اور قرب کے امکانات پائے جاتے ہوں۔

بنا بریں شریعت پر عمل کرنے کی خواہشمند خواتین کے لئے صحیح طرز عمل یہی ہے کہ وہ ٹیلی ویژن کے دینی پروگراموں کو بھی حتیٰ الامکان صرف '' سننے'' پر اکتفا کریں اور نامحرم مردوں کو دیکھنے سے بچیں۔

جہاں تک میرا تعلق ہے' ہدایت و حکمت' سیریز کے ایک دو پروگراموں کے بعد جن میں حاضرین میں مردوں کے ساتھ ساتھ بعض خواتین بھی تھیں' جب صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی ذاتی دلچسپی کی بنا پر '' الہدیٰ'' کا پروگرام طے پا رہا تھا تو میں نے صاف عرض کر دیا تھا کہ حاضرین میں اگر خواتین شامل ہوں تو پردے کے ساتھ ہوں ورنہ بالکل نہ ہوں۔ چنانچہ کسی قدر رد و قدح کے بعد لاہور ٹیلی ویژن کے ذمہ دار حضرات نے موخر الذکر صورت پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا جس پر بحمد اللہ پورے پندرہ ماہ عمل جاری رہا ــــ اور آئندہ بھی اگر اس کی نوبت آئی تو ان شاء اللہ العزیز ایسا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت بخشے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے!

(یہ مضمون میثاق اگست 1982ء کے شمارے سے لیا گیا ہے)

عورت ــــ آج اور کل

(عبدالرزاق اویسی' ٹوبہ ٹیک سنگھ)

قبل از اسلام رائج تھا جو اسلوبِ حیات
کس قدر مظلوم تھی اے بنتِ حوا تیری ذات
ایک مچھر کے برابر بھی تیری قیمت نہ تھی
گاڑ دی جاتی تھی زندہ تُو تو پیدا ہوتے ہی
باپ کے ترکے میں بیٹے بانٹ لیتے تھے تجھے
تُو تھی جن کی ماں وہ جورو بنا لیتے تجھے
مرتا جب تیرا پتی ہندو جلا دیتے تجھے
نہ اکیلے زندہ رہنے کا بھی حق دیتے تجھے
تُو نہ تھی بیٹی کسی کی تُو کسی کی ماں نہ تھی
تجھ سے یوں برتاؤ ہوتا گویا تجھ میں جاں نہ تھی
تجھ کو تو اسلام نے ہی عزت و توقیر دی
ماں کے قدموں میں ہے جنت یہ بشارت اس نے دی
دینِ حق نے ہی تجھے ہے باپ کا ورثہ دیا
اور ماں کو اس کے بیٹے کا دیا وارث بنا
تجھ کو مردوں کی غلامی سے ہے دی اس نے نجات
ہے مگر پردے میں رکھا تا کہ شیطان کھائے مات
تیرے خاوند کو بنایا اس نے ہے تیرا کفیل
کہ امورِ خانگی کی تُو کرے گھر میں سبیل
ہاں مگر وقتِ ضرورت تُو بٹا سکتی ہے ہاتھ
جیسے دورِ سلف میں تُو نے دیا مردوں کا ساتھ
نام آزادی کا دے کے عصرِ حاضر نے تجھے
ہے حصولِ رزق میں اس نے کیا شامل تجھے
نام پر آزادیٔ نسواں کے جتنا بھی ہے شور
گھر کی عزت ہے سرِ بازار لٹوانے پہ زور
عورتیں آئیں گھروں سے گویا نکلیں جیل سے
ہو گئی شیطان کی پوری مرد و زن کے میل سے
اہلِ مغرب میں کسی کی بیٹی' بہن و ماں نہیں
ہیں اویسی سارے حیواں کوئی بھی انساں نہیں

مسلمانوں کی نجات کا واحد راستہ

۱۱ر ستمبر کے بعد وجود میں آنے والے خونی فوجی اتحاد اور واقعات میں خوشی صرف اس بات پر ہوتی ہے کہ اس بربریت کے پیچھے کارفرما دانشوروں کے اتحاد کا اصل روپ ہمارے سامنے آگیا۔ اس اتحاد میں خاص طور پر امریکی صحافی اور تعلیم کے شعبے سے تعلق رکھنے والے وہ حضرات شامل ہیں جو غیر جانبداری کے دعویدار ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ لوگ شدید خود فریبی کا شکار ہیں۔ ان کی مہم کا خاصہ متعصب اور ناقابل برداشت طریقے سے دوسروں میں برداشت کی تلاش کرنا اور ایک متنفر طریقے سے نفرتوں کا ازالہ ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ تمام مسلم دنیا ان کے رنگ میں رنگ جائے اور مسلمان ہر مسئلے کو ان کی نظر سے دیکھیں۔ دانشوروں کے اتحاد کے آخری چند حملوں کا جائزہ اس غرض سے ضروری ہے کہ اس سے اصل مسئلے کی پہچان کے ساتھ ساتھ اس کے حل کے لئے درکار رویے اور راہ کا تعین آسان ہو جائے گا۔ 15 فروری کو لیری کنگ شو پر بات کرتے ہوئے ABC-TV کا میزبان افغانستان اور عراق کی بات کرتے کرتے اسلام کی طرف آیا اور کہا کہ اسلام ایک مذہب ہے مگر مذہب کے ساتھ ساتھ یہ ایک نظریہ بھی ہے جو ایک ایسے پرندے کی طرح ہے جس کا ایک پر دہشت گردی اور دوسرا انتہا پسندی ہے۔ یہ نظریہ مغربی دانشوروں کے اتحاد کا اسلام کے خلاف جنگ وسیع کرنے کا اہم ہتھیار ہے۔

نیویارک پوسٹ اپنے ۲۱ جنوری کے ایک کالم میں لکھتا ہے کہ بش کی ٹیم یہ غلطی کر رہی ہے کہ وہ صاف صاف یہ نہیں کہتی کہ اس کی لڑائی مسلم نظریئے کے خلاف ہے جو کہ امریکہ کے دشمن پیدا کرتی ہے۔ بش کی ٹیم کہہ رہی ہے کہ اس کی لڑائی "EVIL" (شیطان) کے خلاف ہے۔ مگر یہ شیطنت ایک نظریئے سے جنم لے رہی ہے' جسے ہم جنگجو اسلام کہہ سکتے ہیں۔ ۱۲ فروری کو واشنگٹن پوسٹ نے ۶۰ معتبر امریکیوں کی جانب سے اسلامی دنیا کو ایک خط شائع کیا۔ یہ ۶۰ افراد صحافت' ادب اور درس و تدریس کے شعبوں میں نمایاں عہدوں پر فائز ہیں۔ انہوں نے امریکی لڑائی کو ایک جائز جنگ کا نام دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قوموں کی زندگی میں ایک ایسا وقت آتا ہے جب انہیں شیطنت کو روکنے کے لئے جنگ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ یہی خط پہلے کی طرح ۱۱ ستمبر کا واقعہ بغیر ثبوت کے نہ صرف القاعدہ کے سرتھوپ رہا ہے بلکہ اسلامی نظریہ کو اس کا اساس گردانتا ہے۔ ادھر سیموئل پی ہنٹنگٹن جنوری کے نیوز ویک میں لکھتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے خلاف جنگوں کا زمانہ ہے' جنہوں نے سرد جنگ کی جگہ لے لی ہے۔

بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ مغربی دانشور اتحاد کے مذموم عزائم اس قدر کھل کر سامنے آنے کے باوجود ہمارے کچھ مسلمان بھائی یہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ اور اس کے حواریوں کی چالوں سے دنیا کو آگاہ کرنا ہماری نفرت آفریں حرکتیں ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ مسلم حکومتوں کا امریکہ کے سامنے سرتسلیم خم کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے کیونکہ غریب اور بے تعلیم ممالک کے سامنے کوئی اور چارہ نہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ ہماری دفاعی صلاحیت اور نیوکلیر طاقت ہی سب کچھ

عابد اللہ جان

ہے۔ جو ہم میں ذرا سمجھدار ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ۱۰ لاکھ پی ایچ ڈی اور ۷۰ فیصد تعلیم دے دو اور ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ دنیا پر مسلمان کیسے حکومت کرتے ہیں۔

جہاں تک قوت کے حصول تک خاموشی سے سرتسلیم خم رکھنے کا سوال ہے تو یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا کیونکہ مسلمان حکومتوں کو مختلف اطراف سے نشانہ بنایا جا رہا ہے تاکہ معاشی' معاشرتی' عسکری اور اخلاقی طور سے ان ممالک کا دارومدار ہمیشہ ''اتحادوں'' کے احکام بجالانے اور ان کے سہارے پر رہے۔ ہمارے خود انحصاری اور قوت کے حصول کے خوابوں سے وہ بخوبی واقف ہیں جس کی وجہ سے ہمیں صرف اتنی ہی مدد ملتی رہے گی جتنی پر ہم ایمان بیچ کر صرف زندہ رہ سکیں۔ قوت کا حصول ہمارے لئے خواب ہی رہے گا کیونکہ اس کا تعلق معیشت اور پی ایچ ڈی سے کم جبکہ ایمان سے بہت زیادہ ہے۔ ورنہ کیوں انڈیا کے ساتھ موجودہ کشیدگی سے نکلنے کے لئے ہماری آنکھیں امریکہ کی خوشنودی پر زیادہ اور نیوکلیر طاقت یا اللہ کی خوشنودی اور سہارے پر بہت کم ہیں؟

تعلیم واقعی ایک کنجی ہے مگر سوال یہ ہے کہ کون سی تعلیم! کیا مشرف' نواز' بینظیر اور اسلام آباد میں بیٹھنے والے اسٹیبلشمنٹ کے لوگ ناخواندہ ہیں؟ کیا یہ اپنی ناخواندگی کی وجہ سے پاکستان کی حاکمیت اعلیٰ کا سودا کرتے ہیں؟ کیا الجیریا کے فوجی حکمران یا ترکی اور مصر کے مطلق العنان حکمران بے تعلیم ہیں؟ کیا کوفی عنان ناخواندہ ہیں؟ اگر یہ سب ناخواندہ نہیں تو اپنے لوگوں کو ذلت اور غلامی کی دلدل سے نکالنے کے لئے ان کے ذہن میں کوئی صحیح طریقہ کار کیوں نہیں آتا؟ یہ ہماری غلامی کو طول دینے والوں اور معصوموں کے قاتلوں کے ساتھ کیوں ملے ہوئے ہیں؟ انہیں اپنی تعلیم سے کیا ملا؟ یا ان کی تعلیم نے ہمیں کیا دیا؟

درحقیقت ہم نے اپنی منزل متعین نہیں کی اور جس بڑی غلطی کا ہم شکار ہیں وہ ہماری غلط ترجیحات ہیں۔ جب تک ہم اس بنیادی سوال کو حل نہیں کرتے کہ ہمارے ایمان اور اسلام میں ترجیح اول کیا ہے اس وقت تک نہ ہماری قوت ہمیں بچا سکتی ہے اور نہ ہماری تعلیم۔ ہم اسلام کا دفاع فوجوں اور قلعوں سے نہیں کر سکتے جیسا کہ مشرف صاحب سمجھتے ہیں کہ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے اور ساتھ ہی کہتے ہیں کہ اسلام کا سیاست اور حکومت سے کوئی سروکار نہیں اور ہم اسلام کے ٹھیکیدار تو نہیں۔ اسلام کو دراصل ان مسلمانوں کی ضرورت ہے جو اسلام کو اپنی زندگی بنا سکیں اور ترجیح اول صرف اللہ اور اس کی رضا کو گردان سکیں۔ مذہب چلنے کا راستہ ہے اور منزل صرف اللہ ہے۔ تعلیم ایک بہترین ہتھیار ہے' بشرطیکہ اسے اللہ کو سمجھنے اور پانے کے لئے استعمال کیا جائے۔ مولانا روم کہتے ہیں:

علم را بردل زنی یارے بود
علم را بر تن زنی مارے بود

یعنی جب علم کو آپ تسکین قلبی اور شناخت حیات کے لئے استعمال کرتے ہیں تو یہ آپ کو غیر معمولی اور معجزہ آفرین علمیت دیتا ہے مگر جب علم کا حصول محض پی ایچ ڈی اور دنیاوی فائدے تک محدود ہو جائے تو وہ علم کبھی فہم قرآن اور فہم خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نتیجتاً کبھی آپ کو غلامی سے رہائی نہیں دلا سکتا۔ ہم تو بعض مغربی لوگوں کی طرح علم برائے علم بھی حاصل نہیں کرتے' علم برائے خدا تو دور کی بات ہے۔

ہمارے ہاں اسلام آباد میں انسانی وسائل کی ترقی پر عظیم الشان پروگرام منعقد کئے جاتے ہیں مگر ان فائیو سٹار ہوٹلوں میں ہم خدا کا نام لیتے ہوئے شرماتے ہیں۔ گویا خدا کو یاد کرنے کا ماحول اور ماڈرن ماحول الگ الگ چیزیں ہیں۔ ہمارا تصور خدا قرون وسطیٰ کے دور سے آگے نہیں بڑھا۔ ہم اپنے آپ کو Pragmatists کہتے ہیں جس کی وجہ سے ہم روزہ اور نماز کے تو پابند ہیں مگر اس کے سوا ہمیں کچھ نظر نہیں آتا۔ اس خیال سے کہ ملت مسلمہ کے انحطاط کا سبب اعمال کی کمی ہے' ہم مذہب کی آرگنائزیشن میں پڑ گئے۔ ہم نے کئی انجمنیں بنا ڈالیں مگر ۸۰'۹۰ سال کام کرنے کے باوجود ہم اتنا بھی نہ کر سکے جو علی بن عثمان ہجویری یا عبدالقادر جیلانی

جیسی ہستیوں نے دس پندرہ برس کے عرصہ میں کیا تھا۔

دراصل طاقت کا حصول اسلام کا مقصد نہیں۔ طاقت اور قوت تو ایک By-Product ہے جو اللہ تعالیٰ پر سچے دل سے یقین رکھنے والوں کو عطا کی جاتی ہے۔ دین کا مطلب تو خدا طلبی اور خدا رسیدگی ہے۔ اس مقصد سے ہٹتے ہی دین صرف چند عبادات اور رسوم تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے، جس کے لئے بقول مشرف پھر حکومت اور مدرسوں کی ضرورت نہیں رہتی۔

یہی مسئلہ ہماری تعلیم کا ہے۔ تمام تحقیق اور علم کے باوجود ہماری تعلیم اس لئے غیر موثر ہے کہ یہ خدا رسیدگی کا سبب نہیں بنتی۔ تمام PhDs اور دیگر ڈگریوں کے باوجود اگر ہم غیر مسلموں کو یہ سمجھانے سے قاصر ہیں کہ ہم ان کے دشمن نہیں تو ہماری دعوت کون قبول کرے گا! اگر تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی ہم کسی پر یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ اسلام کا نظریاتی ہونا کمیونزم کے نظریاتی ہونے سے مختلف ہے تو ہم مغربی پروپیگنڈہ کے بااثر ہونے کے لیے برابر کے ذمہ دار ہیں۔ اگر ہم اپنے اعمال سے خود کو مسلمان ثابت نہیں کر سکے تو اس کا مطلب ہے ہم نے کہیں نہ کہیں اپنے دین کو سمجھنے یا اپنانے میں غلطی کی ہے۔ بیشک اسلام ایک Ideology ہے مگر ہمیں صحیح مسلمان بن کر دنیا کو یہ دکھانا ہے کہ اس سے سوائے ظالم کے کسی کو کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہئے۔

جس تعلیم اور ڈگریوں کی ہم بات کر رہے ہیں، یہ تو آئن سٹائن کو اٹم تھیوری، ولکنسٹین یا Gestalt کے سکول پر آ کر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ جدید تعلیم کیا ہے؟ یہ علم بہت محدود ہے۔ بہت عرصہ پہلے آئن سٹائن نے نظریہ اضافیت کا فارمولہ دنیا کو دیا مگر آج تک اس کے دیگر نظریات ثابت نہیں ہو سکے یعنی علم و تحقیق کی رفتار اتنی سست ہے کہ برسوں پہلے جو کچھ پیش ہوا، اس کی تصدیق تا حال ممکن نہیں ہو سکی۔ مثلاً Dark Energy کا نظریہ طبعیات کے پچھلے تمام قوانین کو غلط ثابت کرنے پر تلا ہے۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں میں علمی احساس کمتری کا اندازہ برسوں پہلے لگایا تھا اور یہی وجہ ہے کہ ہم میں سے کچھ تو مغربی تقلید میں مصطفیٰ کمال بننے لگتے ہیں یا ہر مغربی چیز اور خیال کا انکار فرض سمجھتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کے علمی ترقی اور Technological Advancement میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔

اسی لیے مغربی مفکرین کا ٹارگٹ اب قرآن ہے اور ہمارے لبرل بھائی بھی کچھ قرآنی آیات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے یا اپنی معمولی علمی بنیاد پر تفسیر کرنے کو جدیدیت سمجھنے لگتے ہیں۔ مغربی دانشوروں کے اتحاد کے مطابق قرآن (نعوذ باللہ) ناکارہ ہو چکا ہے جس کی تعلیمات سے انتہا پسندی اور دہشت گردی جنم لے رہی ہیں۔ اب غیر مذہب ہمیں قرآن سمجھاتے ہیں۔ ہماری تعلیم واقعی تعلیم ہوتی اگر ہم ثابت کر سکتے کہ قرآن نوع انسانی کی فلاح اور نجات کا باعث ہے۔ قرآن نہ تو پرانا ہوا ہے اور نہ ہی یہ دہشت گردی کا سبب ہے۔ فاصلوں اور زمانوں سے قرآن بے نیاز ہے۔ بے شک جدید تعلیم ضروری ہے مگر Principia mathematica لکھنا یا نظریہ اضافیت پیش کرنا اس کی انتہا اور مقصد نہیں۔ ترجیح اوّل کے بغیر 1.5 بلین مسلمانوں کا پی ایچ ڈی ہونا بھی ان کو دنیا کی حکومت نہیں دلا سکتا۔ قرآن خود کہتا ہے کہ ایسی تعلیم اور ترقی بے سود ہے۔

> ''اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال کی مثال بیاباں میں سراب کی طرح ہے، کہ یہاں اس کو پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو کچھ نہیں پاتا اور اپنے پاس اللہ کو موجود پاتا ہے، پھر اس کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ مل گیا اور اللہ جلد ہی حساب لینے والا ہے۔''
> (النور:۳۹)

پڑھے لکھے اور سمجھدار مسلمانوں کا کام ہے کہ اپنے بھائیوں کو زور دے کر بتائیں کہ اسلام کو مخصوص زمانے کی ہمدردی اور تفسیر کی ضرورت نہیں۔ ہمیں موجودہ حالات سے خود کو باخبر رکھنے کی ضرورت ہے اور کوشش یہ ہونی چاہئے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں اللہ تک رسائی ممکن ہو۔ تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ابتدائی شعور اور sensitization کو اللہ کے حصول کے لیے استعمال کیا جائے۔

جہاں تک دہشت گردی اور بنیاد پرستی کا تعلق ہے، یہ مسلمانوں کی بقا کے دو بنیادی مگر غلط نام سے پکارے جانے والے اصول ہیں۔ یہ اصل میں دعوت اور جہاد کے کفار کو نظر آنے والے روپ ہیں، جن کے نام بالترتیب بنیاد پرستی اور دہشت گردی رکھ دیے گئے ہیں۔

زیست اور موت کی کشمکش میں مبتلا مسلمانوں کی حالت اس دنیا کے ہر کونے میں جہاد کو ہمارا فرض عین بنا رہی ہے۔ لیکن یہ ذمہ داری حقیقی جہاد کا روپ اس وقت دھارتی ہے جب یہ صرف اللہ کی رضا کے لئے اور پورے یقین کے ساتھ مظلوموں کی مدد کی خاطر ہو نہ کہ فتح کے لئے۔

ورنہ پھر کمزور ایمان والے یہی کہیں گے کہ طالبان کو کیا نصیب ہوا جو ہم بغیر قوت کے دنیا کی سپر پاور سے دشمنی مول لیں۔ اخلاقی طور سے دنیا کے مختلف مقامات پر مظلوم مسلمانوں کی نجات کے لئے جہاد اتنا ہی فرض ہے جتنا کہ امریکہ کے ساتھ دانشور ۱۱ ستمبر کے بعد امریکی جنگ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ کیا اسرائیل کی پچپن سالہ بربریت، قبضہ اور ظلم و تشدد اس قدر دفاعی جنگ کی اجازت بھی نہیں دیتے جس قدر کویت پر عراقی قبضہ یا امریکہ کے خلاف یہودی حملے اجازت دیتے ہیں؟

امریکی جنگ کا فتویٰ دینے والے کہتے ہیں کہ معصوموں کی جان بچانا ان کی جنگ کا اہم اخلاقی جواز ہے۔ ان کا مزید دعویٰ ہے کہ جب معصوم لوگوں کی جان خطرے میں ہونے کے واضح ثبوت موجود ہوں تو ان کی محبت امریکہ کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ طاقت کا استعمال کرے۔ سوال یہ ہے کہ یہ اصول فلسطین، کشمیر اور چیچنیا پر کیوں لاگو نہیں ہوتا؟ مسٹر ہنٹنگٹن کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان لڑتے نہیں، لڑائی ان پر مسلط کی جا رہی ہے۔ مثلاً فلسطینی کتنے سال انتظار کریں جب امریکہ ۱۱ ستمبر کے بعد صرف تیس دن اور کویت کے معاملے میں چھ ماہ انتظار نہ کر سکا، اور اتنا وقت بھی صرف اپنی تمام تر قوت جمع کرنے کے لیے لیا گیا۔ امریکہ کی طرف سے لکھے گئے خط کے نمائندہ مصنفوں نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ان کی قدروں کو اپنی قدروں سے اور ان کے حقوق کو اپنے حقوق سے کم نہیں سمجھتے۔ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں اگر برابری کے یہ دعوے سچے ہیں تو امریکی لاکھوں فلسطینیوں کی دربدری اور نسل کشی کے خلاف اسی جوش و جذبے سے کیوں میدان میں نہیں آتے جس کے ساتھ وہ ۱۱ ستمبر کو ہلاک ہونے والے ۲۵۰۰ افراد کی خاطر میدان میں اترے ہیں؟ اگر امریکی واقعتاً مسلمانوں کی قدروں اور حقوق کو برابری کی نظر سے دیکھتے ہیں تو کیا انہیں اسرائیل کے خلاف کارروائی کرنے میں مزید دیر کرنی چاہئے اور اسے اس کے جرائم کی اتنی سزا نہیں دینی چاہئے جتنی بغیر کسی جرم کے افغانوں کو دی ہے۔ اسے ۳۵ سالہ ناجائز قبضے کی ویسی سزا ضرور ملنی چاہئے جو عراق کو چھ ماہ کے قبضے کے جرم میں ۱۲ سال سے مسلسل مل رہی ہے۔ ظاہر ہے امریکی ایسا کبھی نہیں کریں گے نہ ہم اپنا تماشا دیکھنے کے سوا کچھ کر سکیں گے الا یہ کہ ہم ترجیح اول کے تعین اور تعلیم کے ساتھ ساتھ اللہ سے وفاداری کا مصمم عہد بھی کریں۔

درحقیقت مسلمانوں کے زوال کی وجہ صرف تعلیم کی کمی یا معیشت کی کمزوری نہیں اور نہ ہی اپنی عزت کا دفاع صرف نیوکلیر طاقت سے ممکن ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ایٹم بم سے لیس ہونے کے باوجود ہم واجپائی کے گھٹنے نہ پکڑتے اور نہتے فلسطینی اسلحہ سے لیس اسرائیل کو لوہے کے چنے نہ چبواتے۔ ہماری نجات صرف اللہ کی فرماں برداری، اس کی خوشنودی اور اس کے دین کے غلبہ کی جدوجہد میں مضمر ہے۔ اگر ہم اللہ کے وفادار ہوں گے تو نہ ہماری دو دو اینٹ کی الگ مسجدیں ہوں گی اور نہ ہم امریکہ کے خوف سے اپنے مسلمان بھائیوں کے گلے پر چھری پھیریں گے۔ دیر صرف لا الہ الا ھو کی مے پینے کی ہے۔

دنیا کی حقیر ترین اقلیت اور گلوبل میڈیا!

رعنا ہاشم خان

آج گلوبل میڈیا جن دو درجن فرموں کے ہاتھ میں ہے‘ ان میں اکثریت یہودیوں کی ہے۔ دنیا کی اس حقیر ترین اقلیت نے پورے مغرب خصوصاً یورپ اور امریکہ کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ سی این این‘ اے بی سی‘ این بی او خالص یہودی چینل ہیں۔ اسی طرح اخبارات اور جرائد میں پیپلز میگزین‘ ٹائم میگزین‘ نیوز ویک یہودی کنٹرول میں ہیں۔ امریکہ کا سب سے بڑا اخبار نیویارک ٹائمز جس کو دیکھے بغیر نہ صرف امریکہ بلکہ کئی مغربی ممالک کی بھی صبح نہیں ہوتی‘ اس کا مالک ایک یہودی ہے۔ نیویارک ٹائمز دنیا کے ۳۴ بڑے اخبارات کو کنٹرول کرتا ہے۔ اس اخبار کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ کینیڈا سے ۱۰۵ اخبارات نکلتے ہیں جن میں سے ۶۱ یہودیوں کے قبضے میں ہیں۔ اسی طرح برطانیہ‘ فرانس‘ جرمنی اور روس کا میڈیا بھی یہودی تسلط میں ہے۔ نتیجتاً مسلمانوں کے خلاف منفی پروپیگنڈا کی سائیکل بغیر رُکے حرکت میں رہتی ہے۔

ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ کئی مسلمان ممالک اپنی باصلاحیت جرنلزم اور پیسے کی فراوانی کے باوجود مغرب کی چوکھٹ بے فیض کے مستقل مکین بنے رہتے ہیں۔ چنانچہ اگر مسلمان کشمیر‘ افغانستان‘ بھارت اور فلسطین میں حشرات الارض کی طرح مرتے رہتے ہیں تو یہ معمول کی مختصر سی خبر کہلاتی ہے لیکن اگر کوئی یہودی مرجاتا ہے تو اسرائیلی ٹینک فلسطینی شہروں کو ادھیڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ کراچی میں یہودی صحافی ڈینئل پرل مرجاتا ہے تو پوری دنیا کی صحافت میں بھونچال آجاتا ہے۔ آج اسرائیلی فوج نے فلسطینی رہنما یاسر عرفات کو محصور کر رکھا ہے‘ فلسطین میں اسرائیلی دہشت گردی اپنے عروج پر ہے جبکہ یہودی صحافت شور مچا رہی ہے کہ یاسر عرفات کو دہشت گردی سے روکا جائے۔ جو کچھ فلسطین میں ہو رہا ہے اس کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ فلسطینی شہر صابرہ اور شتیلہ کے کیمپ بنے ہوئے ہیں اور یہودی پنجے میں جکڑ اگلوبل میڈیا تمام دنیا کو یہ تاثر دینے میں مصروف ہے کہ اگر مسلمانوں کی نسل کشی نہیں کی گئی تو وہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی طرح مغربی ممالک اور غیر مسلموں کو نیست و نابود کر دیں گے۔

۱۱ ستمبر کے بعد سے گلوبل سیاست میں جو بھونچال آیا ہے اس میں سارا زور دہشت گردی اور دہشت گردوں کا خاتمہ کرنے پر ہے۔ دہشت گرد ممالک کی جو لسٹ بنائی گئی ہے اس میں ۵۵ اسلامی ممالک اور ایک غیر مسلم ملک شمالی کوریا شامل ہے۔ امریکہ آج دہشت گردی کے نام سے یہودی مفادات کی جنگ لڑ رہا ہے۔ اسرائیل کی بقاء کی یہ جنگ اس وقت فلسطین میں انتہائی شدّ و مدّ کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ رملہ‘ جنین اور بیت اللحم میں مسجدیں تک ہسپتال بنا دی گئی ہیں۔ مسجدوں کے ہال میں نرسیں کہیں لاشوں کے منہ ڈھانپ رہی ہیں اور کہیں زخمیوں کی مرہم پٹی میں مصروف ہیں۔ ہر فلسطینی گھر کے باہر ٹینک کھڑا ہے۔ لوگ بھوک‘ پیاس کے ہاتھوں اور دواؤں کے بغیر مر رہے ہیں اور گلوبل سیاست کے سٹیج کا سب سے بڑا فنکار جارج بش تین دن سے اسرائیلی وزیر اعظم شیرون کو ”حکم“ دے رہا ہے کہ فلسطینی علاقوں سے فوجیں ہٹائی جائیں۔ دنیا کی حقیر ترین دو فیصد یہودی آبادی نے امریکی دل و دماغ‘ میڈیا‘ اقتصادیات اور حکومت کو اپنا بے دام غلام بنا رکھا ہے۔ ایک سابق امریکی صدر رونالڈ ریگن نے جب حلف اٹھایا تھا تو ان سے انتخاب ہارنے والے صدر جمی کارٹر نے کہا تھا کہ ”اپنی صدارتی مدت کے دوران یہودی لابی اور یہودی میڈیا سے بہت ہوشیار رہنا!“ آج بھی امریکی صدر‘ سینیٹر اور کانگرس کا رکن یہودی لابی کے آگے بے بس ہے۔ امریکی عوام اب یہودی چالوں سے واقف ہوتے جا رہے ہیں مگر وہ بھی اپنی حکومت کی مانند مجبور ہیں۔

اسرار عالم اپنی تصنیف ”عالمِ اسلام کی اخلاقی صورتِ حال“ میں لکھتے ہیں کہ:

”یہودیت سارے جتن کرنے کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کو سیکولرائز کرنے میں ناکام رہی ہے اور اب اس پر جھنجھلاہٹ بلکہ ہذیانی کیفیت طاری ہو چکی ہے۔ اس کے قویٰ ٹوٹ رہے ہیں اور وہ پاگل ہوگئی ہے۔ اندیشہ ہے کہ ہذیانی کیفیت میں مبتلا کسی انسان کی طرح یہ قوم بھی ہیبت ناک سے ہیبت ناک اقدام کر سکتی ہے۔“

اس وقت جس اضطراب انگیز صورتحال کا ہم اس مٹھی بھر یہودیت کے ہاتھوں شکار ہیں‘ افسوس کہ ہماری قیادتوں کو اس کا ذرہ بھر ادراک نہیں۔ وہ یہ بات جاننے کو قطعاً آمادہ نہیں ہیں کہ سپر پاور امریکہ نہیں بلکہ اس کی اوٹ میں بیٹھے یہودی ہیں۔ امریکہ تو بس مہرہ نا چیز ہے۔ امریکہ اسرائیل کو روزانہ دس ملین ڈالر فراہم کرتا ہے۔ امریکہ کی فوجی مہارت‘ ٹیکنالوجی کی برتری اور اسلحے کی مقدار سے یہودی دراصل مسلمانوں کو ہیبت زدہ کر کے ٹیکنالوجی‘ سیاسی اور اقتصادی ہر محاذ پر مات دینے کے درپے ہے۔ آج اسرائیل طاقت کے نشے میں چور ہٹلر کی یادیں تازہ کر رہا ہے۔ حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ اسرائیل طاقت کے سوا اب کوئی اور زبان نہیں سمجھے گا۔ رہ گیا امریکہ‘ تو وہ آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے میں مصروف ہے۔ اسرائیل امریکہ پر معاشی بوجھ بن چکا ہے اور امریکہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ اسرائیل جیسا ناگ جس پر وہ اربوں ڈالر خرچ کر رہا ہے موقع ملتے ہی امریکہ کو ڈس لے گا۔ شائد یہی مکافاتِ عمل ہے کہ پوری دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچانے والا امریکہ آج دو فیصد حقیر آبادی کے اشارۂ ابرو کے تابع ہے۔

دعوت عمل

دعوت واصلاح کا کام

”شریعت اسلامی نے اجتماعی زندگی اور اجتماعی اصلاح اور اجتماعی ترقی کو اصل بتایا ہے‘ اور امت مسلمہ کو ایک جسم قرار دیا ہے کہ اگر ایک عضو میں درد ہو جائے تو تمام جسم بے چین ہو جاتا ہے‘ اس وجہ سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ایمان کا خاصہ اور لازمی جز قرار دیا ہے تاکہ اس کی انجام دہی کے لئے اپنے اندر خوبی و کمال پیدا کریں۔ ظاہر ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک افراد خوبیوں اور کمالات کے زیور سے آراستہ نہ ہوں۔ اب ہمارے اوپر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ فریضۂ تبلیغ کو اس طرح لے کر کھڑے ہوں جس سے ہم میں قوت بڑھے اور اسلامی فتوحات ابھریں‘ ہم خدا اور رسول کو پہچانیں اور احکام خداوندی کے سامنے سرنگوں ہو جائیں‘ کیونکہ یہ کام خدا کی ایک اہم عبادت اور سعادت عظمیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام کی امانت ہے۔ اس کام کا مقصد دوسروں کی ہدایت نہیں بلکہ اس سے خود اپنی اصلاح اور عبدیت کا اظہار مقصود ہے۔ اگر ہم اس کو صحیح طور پر انجام دیں گے تو عزت و آبرو اور اطمینان و سکون کی زندگی پالیں گے۔“

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

طویل انتخابی مہم

ماضی کے تجربات کی روشنی میں

عرفان صدیقی

طویل انتخابی مہم کا ایک خوفناک تجربہ ۱۹۷۰ء میں کر چکے ہیں۔ یحییٰ خان اور ان کے مشیروں نے نہ جانے کن مقاصد کے پیش نظر تند و تیز سیاسی دھاروں کے منہ کھول دیئے اور خود تماشا دیکھتے رہے۔ اس منہ زور مہم نے ان قوتوں کو بال و پر فراہم کر دیئے جو کسی نہ کسی طور اسٹیبلشمنٹ سے ٹکراؤ کا تاثر دے رہی تھیں۔ ایوب خان کے دس سالہ دور کے آخری ایام میں اپوزیشن کے جو قائدین عوام کے جذبات کی لہروں کے سنگ ابھرے ان میں مجیب الرحمن اور ذوالفقار علی بھٹو نمایاں تھے۔ یحییٰ خان کو دونوں سے کوئی ذاتی پرخاش نہ تھی اس لئے انہوں نے کسی پر کوئی قدغن لگائے بغیر چنگاریوں کو شعلوں اور شعلوں کو الاؤ میں بدلنے کی اجازت دیئے رکھی۔ انہیں یقین تھا کہ ملغوبہ قسم کی پارلیمنٹ ان کے راستے کی روک نہیں بنے گی اور وزارت عظمیٰ کسی کے حصے میں آئے' صدارت کی دستار فضیلت بہرحال انہی کے سر سجے گی۔ انہیں اس امر کا بھی یقین تھا کہ ایک غیر جانبدارانہ' منصفانہ اور آزادانہ انتخابات ایسے نتائج مرتب کریں گے جو ان کی ''سودا بازی'' کی صلاحیت کو بڑھا دیں گے۔ لہٰذا انہوں نے کسی نوع کی دھاندلی کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ مشترکہ ذوق و شوق کے باعث بھٹو سے ان کی دوستی نے انتخابات کے بعد مل کی غارگری میں ضرور کردار ادا کیا لیکن انتخابات سے قبل ان کی انتظامیہ نے سرکار کی سرپرستی میں کسی نوع کے فاؤل پلے کی کوشش نہیں کی۔ وہ مجیب سے بھی سازگار راہ و رسم کی تلاش میں رہے۔ صدیق سالک مرحوم نے اپنی معروف کتاب ''میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا'' میں لکھا ہے کہ ''عام قیاس یہ تھا کہ یحییٰ خان مارشل لاء اٹھ جانے کے بعد بھی ملک کا صدر رہنا چاہتے تھے۔ یہی ایسی خواہش تھی جس کی تکمیل مجیب الرحمن کی تائید کے بغیر ممکن نہ تھی۔'' وجہ کچھ بھی ہو' ایک طویل اور شعلہ بداماں انتخابی مہم نے ملک کے دونوں حصوں میں ہلچل مچا دی۔ مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کے مخالفین نے اس جنگ کو نظریاتی رنگ دینے کی کوشش کی۔ مشرقی پاکستان میں یہ معرکہ مجیب کے چھ نکات کی بنیاد پر لڑا گیا۔ توازن اور اعتدال کی قوتیں طویل اور تلخ انتخابی مہم کے ریلے کی نذر ہو گئیں اور میدان شعلہ خو بے لچک قائدین کے ہاتھ رہا۔ یحییٰ خان کی ہوس صدارت' مفاہمت کا کوئی راستہ نہ نکال سکی اور دو وزرائے اعظم اپنے اپنے حصے کا پاکستان لے کر الگ ہو گئے۔

صدر پرویز مشرف اور ان کے رفقاء نے بھی غالباً نادانستہ طور پر ایک طویل اور بے مہار انتخابی مہم کا آغاز کر دیا ہے۔ اگر انتخابات اکتوبر میں ہونا ہیں تو یہ مہم کم و بیش سات ماہ پر محیط ہو گی۔ ایک ماہ ریفرنڈم کی نذر ہو جائے گا اور اسی دوران سیاسی رفیقوں اور حریفوں کی صف بندیاں واضح ہو جائیں گی۔ یہ بات ایک عرصے سے کہی جا رہی تھی کہ صدر مشرف کو زیرک' معاملہ فہم' سیاسی سمجھ بوجھ کے حامل اور روح تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے رفقاء کی مشاورت میسر نہیں..... ریفرنڈم کے فیصلے سے اس تاثر کو تقویت ملی ہے۔ ٹھہری ہوئی جھیل میں کنکر پھینکنے والے یہ اندازہ نہیں کر پا رہے کہ دائرہ در دائرہ بنتے حلقے' کیسی کیسی گرائیں ڈالیں اور کیسے کیسے بھنور بنائیں گے۔ معمول کے حالات نے ایسی کروٹ لی ہے کہ توپوں کے رخ صدر مشرف کی طرف مڑ گئے ہیں۔ سیاسی دھڑا بندی کی تقسیم نمایاں ہو گئی ہے۔ صدر کی ذاتی پسند کی ڈوری سے بندھے غیر نمائندہ وزراء' سکیورٹی کونسل کے ارکان اور مسلح افواج کے سربراہوں کی متفقہ تائید و حمایت بے معنی ہے۔ سیاسی جماعتوں میں سے صدر کو مسلم لیگ (ق)' فاروق لغاری کی ملت پارٹی' طاہر القادری کی عوامی تحریک کے سوا کسی قابل ذکر دھڑے کی کھلی حمایت حاصل نہیں ہو سکی۔ گمان ہے کہ عمران خان بھی اس صف میں شامل ہو جائیں گے۔ اس کے باوجود یہ قبیلہ زیادہ وزن نہیں رکھتا۔ مسلم لیگ (ق) اور ملت پارٹی کو ابھی اپنی قوت بازو کی آزمائش کرنی ہے۔ عمران خان اور طاہر القادری اپنا ہنر آزما چکے ہیں۔ ملک کی بھاری اکثریت ان کے تذکرے سے لطف لیتی اور اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو تسکین دیتی ہے۔ مسلم لیگ (ق) کسی نفسیاتی پیچیدگی اور باطنی خوف کے باعث فوجی حکومت کی سرپرستی چاہتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میاں اظہر کی ساحری اسکے تن مردہ میں جان نہیں ڈال سکتی۔ باقی تینوں ''عوامی قائدین'' یعنی لغاری' عمران اور قادری' وزارت عظمیٰ کے رومانس میں ریفرنڈم کی بارگاہ ناز میں کورنش بجالا رہے ہیں۔

ریفرنڈم کے حوالے سے شروع ہونے والی سیاسی معرکہ آرائی میں ان مخالفین کا پلڑا خاصا بھاری ہے جو عوامی تائید و حمایت بھی رکھتے ہیں اور پرزور مہم چلانے کی تنظیمی صلاحیت بھی۔ ۱۹۹۷ء کے انتخابات میں جن نو جماعتوں کو قومی اسمبلی میں نمائندگی ملی' وہ سب کی سب ریفرنڈم مخالف دھڑے میں ہیں۔ دینی جماعتیں بھی بہ یک زبان اس دھارے میں شامل ہو گئی ہیں۔ صدر یقیناً چار جماعتی تعاون کے بغیر بھی ریفرنڈم جیت جائیں گے' لیکن یہ چار جماعتیں ان کے دست شفقت کے بغیر کوئی معجزہ دکھانے کی پوزیشن میں نہیں۔ دوسری طرف مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی سمیت جماعت اسلامی' اے این پی' ایم کیو ایم اور دینی جماعتیں مسلسل سات ماہ تک طوفان بپا کئے رکھیں گی۔ موضوع بحث صرف صدر مشرف کا نیا عہدہ صدارت نہیں ہو گا۔ بنیادی نکتہ امریکہ کی حدوں سے چھلکتی ہوئی دخل اندازی اور ہماری والہانہ اطاعت گزاری ہو گا۔ اسے مہنگائی' بے روزگاری' بدامنی' توانائی کی بڑھتی ہوئی قیمتوں اور بے تحاشا آئینی ترامیم کا تڑکا لگے گا اور پورے سات ماہ لگتا چلا جائے گا۔

سیاست کا جن' ریفرنڈم کے مقدس مشن کے لئے بوتل سے باہر نکالا گیا ہے لیکن اب اسے انتخابات تک واپس بوتل میں ڈالنا مشکل ہو گا۔ صدر نے جس طرح کی پارلیمنٹ' جس نوع کے وزیراعظم اور جس انداز کی کابینہ کا تصور پیش کیا ہے شاید اسے ۱۹۷۳ء کے آئین کی روح کے مطابق جمہوری پارلیمانی نظام کا نام نہ دیا جا سکے۔ اس پر ایک طوفان کا اٹھنا یقینی ہے۔ سات ماہ پر محیط لمبے راؤنڈ کے دوران حکومت کا دست و بازو بننے والے درحقیقت حکومت کے کندھوں کا بوجھ بن جائیں گے اور مختلف الخیال موثر دھڑوں کو باہمی اشتراک و تعاون کے لاتعداد نکات میسر آ جائیں گے۔

اللہ کرے یہ سات ماہ خیر و عافیت سے گزریں! واضح سیاسی تقسیم' متحارب دھڑے اور فوجی حکومت کے عزائم کی مزاحمت کرنے والی توانا سیاسی جماعتیں بے شمار وسوسے جگا رہی ہیں۔ صدر مشرف نے پہلی مرتبہ خالصتاً مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا لب و لہجہ اختیار کیا ہے۔ جب جمہوری اور سیاسی عمل کی کشتی ہموار پانیوں کے بجائے سنگلاخ فولادی چٹانوں کی طرف جا نکلے تو حادثوں کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ بے لچک رویوں کے گہرے گھاؤ ابھی تک بھرنے میں نہیں آئے۔ کیا ہم پھر ماضی کو دہرانا چاہتے ہیں؟

صد بار اگر توبہ شکستی باز آ....

بشریٰ رحمٰن

عالم اسلام کے عظیم سکالر مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری اپنی معرکتہ الآراء تصنیف سیرت النبی ﷺ ''الرحیق المختوم'' میں لکھتے ہیں:

''ابرہہ صباح حبشی نے جو یمن کا گورنر تھا' جب دیکھا کہ اہل عرب خانہ کعبہ کا حج کرتے ہیں تو صنعاء میں ایک بہت بڑا کلیسا تعمیر کیا اور چاہا کہ عرب کا حج اسی کی طرف پھیر دے۔ مگر جب اس کی خبر بنو کنانہ کے ایک آدمی کو ہوئی تو اس نے رات کے وقت کلیسا کے اندر گھس کر اس کے قبلے پر فضلہ پوت دیا۔ ابرہہ کو پتہ چلا تو سخت برہم ہوا اور ساٹھ ہزار کا ایک لشکر جرار لے کر کعبہ کو ڈھانے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے لئے ایک زبردست ہاتھی بھی منتخب کیا۔ لشکر میں کل نو یا تیرہ ہاتھی تھے۔ ابرہہ یمن سے یلغار کرتا ہوا مغمس پہنچا اور وہاں اپنے لشکر کو ترتیب دے کر اور ہاتھی کو تیار کر کے مکہ میں داخلے کے لئے چل پڑا۔ جب مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی محسر میں پہنچا تو ہاتھی بیٹھ گیا اور کعبہ کی طرف بڑھنے کے لئے کسی طرح نہ اٹھا۔ اس کا رخ شمال' جنوب یا مشرق کی طرف کیا جاتا تو اٹھ کر دوڑنے لگتا لیکن کعبہ کی طرف کیا جاتا تو بیٹھ جاتا۔ اسی دوران اللہ نے چڑیوں کا ایک جھنڈ بھیج دیا جس نے لشکر پر ٹھیکری جیسے پتھر گرائے اور اللہ نے انہیں اسی سے کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا۔ یہ چڑیاں ابابیل اور قمری جیسی تھیں۔ ہر چڑیا کے پاس تین تین کنکریاں تھیں: ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں۔ کنکریاں چنے جیسی تھیں مگر جس کسی کو لگ جاتیں اس کے اعضاء کٹنا شروع ہو جاتے اور وہ مر جاتا۔ یہ کنکریاں ہر آدمی کو نہیں لگی تھیں لیکن لشکر میں ایسی بھگدڑ مچی کہ ہر شخص دوسرے کو روندتا' کچلتا' گرتا پڑتا بھاگ رہا تھا۔ پھر بھاگنے والے ہر راہ پر گر رہے تھے اور ہر چشمے پر مر رہے تھے۔ ادھر ابرہہ پر اللہ نے ایسی آفت بھیجی کہ اس کی انگلیوں کے پور جھڑ گئے اور صنعاء پہنچتے پہنچتے چوزے جیسا ہو گیا۔ پھر اس کا سینہ پھٹ گیا' دل باہر نکل آیا اور وہ مر گیا۔''

اس اقتباس کو قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کو یوں دل چاہا کہ آج ایک خبر نظر سے گزری جو نیویارک کے حوالے سے ہے کہ مکہ پر ایٹم بم گرانے کا مطالبہ کرنے والے امریکی صحافی رچ لوری پر فالج کا شدید حملہ ہوا ہے اور اس کی حالت خطرے میں بتائی جاتی ہے۔ اوہایو میڈیکل ہسپتال کے ڈاکٹروں نے رچ لوری کی اچانک پراسرار بیماری کی اطلاع دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی۔ رچ لوری وہی شخص ہے جس نے چند روز پیشتر غیض و غضب کے سے انداز میں تمام مسلمانوں کو Twin ٹاورز پر حملہ کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا اور پھر عیسائی و یہودی دنیا کو للکار کر کہا تھا کہ انہیں بھی مسلمانوں کے مرکز عبادت خانہ کعبہ پر ایک بار ایٹم بم چلا دینا چاہئے' تب ہی مسلمان اس سے سبق سیکھ سکیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ جلدی ہی پینٹا گون اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملوں کے بارے میں حیرت انگیز کتابیں شائع ہونا شروع ہو گئی ہیں' جن کے اندر ہوش اڑا دینے والے واقعات لکھے جا رہے ہیں' جو دھڑا دھڑ بک رہی ہیں اور جو حملوں کی حقیقت کو افسانہ بناتی چلی جا رہی ہیں اور مسلمانوں کی حیثیت کا تعین خود بخود ہوتا چلا جا رہا ہے..... عین ممکن ہے مسلمان اس الزام سے باعزت بری ہو جائیں۔ انکشافات کا انتظار ہے!

دور کیوں جائیں' سات آٹھ سال ادھر کی بات ہے کہ متعصب ہندوؤں نے آناً فاناً بابری مسجد شہید کر دی تھی۔ اس عظیم کارنامے پر عمل کروانے کے لئے چار ہزار ''کار سیوک'' کو خصوصی تربیت دی گئی تھی۔ ان کا سرغنہ شیو پرشاد نامی ایک ہندو تھا۔ وہ بجرنگ دل کا کمانڈر تھا اور ایودھیا کے قریب فیض آباد کا رہنے والا تھا۔ اس کا باپ تریگال راتھن' سنگھ پریوار کے سربراہوں میں سے ایک سردار تھا۔ آر ایس ایس اور شیو سینک کے سینکڑوں آدمی اس کام میں پیش پیش تھے مگر جس شخص نے گنبد پر چڑھ کر تیشہ لہرایا اور مسجد کے ٹکڑے فضاؤں میں اچھالے وہ شیو پرشاد ہی تھا۔ وہ زہر سے بھرے ہوئے ایک جذبے کے ساتھ مسلمانوں کی دلآزادی میں محو تھا اور مسجد شہید کرنے کے بعد مسلمانوں کے علاقے میں گھس گیا اور بآواز بلند رام جے شری' رام جے شری کے نعرے بلند کرتا رہا..... شور مچاتا رہا' دندناتا رہا..... پھر نہ جانے کیا ہوا کہ شیو پرشاد بیمار رہنے لگا۔ اس کا دل سکون سے خالی ہو گیا۔ ایک بے چینی ہمہ وقت اسے اپنے گھیرے میں رکھتی۔ اس کا دل کہیں نہ لگتا۔ ساری دنیا اسے بے معنی لگتی۔ اس کی بھوک پیاس اڑ گئی۔ رشتوں ناطوں سے وہ بے زار ہو گیا۔ پھر اس نے بھارت سے باہر جانے کی ٹھانی..... اسے شارجہ میں ملازمت مل گئی..... وہ بضاور غبت مسلمانوں کے ملک میں چلا گیا۔ مگر وہ کیا جانتا تھا کہ یہ دنیا مکافات عمل ہے اور جس کا گھر مسجد ہے' اس کا ایک نظام ہے۔ شارجہ میں بھی وہ اپنے ملک کے باسیوں کے ساتھ رہنے لگا مگر چھٹی کے بعد گلیوں گلیوں بے مقصد' اداس' بکھرا بکھرا پھرا کرتا۔ اس کے دل کو گھمبیر اداسیوں اور سلگتے پچھتاووں نے گھیر لیا تھا۔ ایسے لگتا جیسے اس نے کوئی مہا پاپ کر ڈالا ہو۔ وہ جمعے کا روز تھا جس دن وہ بے مقصد ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ ایک مسجد میں جمعے کا خطبہ ہو رہا تھا۔ وہ رک کر سننے لگا۔ عربی زبان سے نابلد تھا مگر سن کر دل میں ایک عرصہ بعد ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ پھر اس کا معمول بن گیا کہ جمعہ کے روز مسجدوں کی اوٹ میں خطبے سنا کرتا۔ اس کا اضطراب ختم ہونے لگا۔ اس کو چین سا آنے لگا۔ اس کا دل تقویت پکڑنے لگا۔ اور ایک دن اس کے دل میں ایمان کی روشنی جاگی۔ اس نے مسجد کے اندر جا کر اعتراف گناہ کیا' رو رو کر اللہ سے معافی مانگی اور اسلام قبول کر لیا۔ ایک نفلی روزہ رکھا اور اسلام کی تعلیم میں داخل ہو گیا۔ امام مسجد نے اس کا نام محمد مصطفیٰ رکھا۔ وہ کلام پاک کی کئی سورتیں زبانی یاد کر چکا ہے۔ اس کا ضمیر شانت ہو گیا ہے۔ اسے اپنے پریوار کو چھوڑنے کا غم نہیں ہے۔ وہ اسلام کا سچا سیوک بننا چاہتا ہے۔ اس نے عہد کیا ہے کہ جن ہاتھوں سے اس نے بابری مسجد شہید کی تھی ایک دن انہی ہاتھوں سے دوبارہ اسی جگہ بابری مسجد تعمیر کرے گا۔

نہ کہیں جہاں میں امان ملی جو امان ملی تو کہاں ملی؟
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں!

ایسے ہی کسی اشارے کی رچ لوری کو ضرورت ہے!!

(بشکریہ: نوائے وقت 8/اپریل 2002ء)

حلقہ پنجاب شمالی کے

ملتزم رفقاء متوجہ ہوں

حلقہ پنجاب شمالی سے مرکزی مجلس شوریٰ کے لئے اراکین کا انتخاب حلقہ کے دفتر واقع فیض آباد' راولپنڈی/ اسلام آباد میں 14/ اپریل 2002ء بروز اتوار صبح 9 تا 12 بجے ہو گا۔ تمام ملتزم رفقاء کی اس میں شرکت لازمی ہے۔

شمس الحق اعوان
امیر حلقہ پنجاب شمالی

منہج انقلاب نبویؐ کے ساتھ
منہج معاشرت نبویؐ پر بھی توجہ دینا ہوگی

امت مسلمہ کو جسد واحد سے تشبیہ دی جاتی ہے کہ جس طرح جسم کے کسی حصہ کو تکلیف پہنچے اس کا درد جسم کا ہر عضو محسوس کرتا ہے۔ لیکن آج امت مسلمہ کا کیا حال ہے؟ اسرائیل کے بلڈوزر فلسطینی مسلمانوں کے مکانوں کو بلڈوز کر کے ملبہ کے ڈھیر میں تبدیل کر رہے ہیں' ان کے ٹینک فلسطینیوں کو روندرہے ہیں' روزانہ لاشیں اٹھائی جارہی ہیں۔ افغانستان میں پہلے Carpet bombing ہوتی رہی اور اب Cosmetic Bombing کی زد میں ہے۔ کشمیر میں مسلمان شہید کئے جارہے ہیں' ان کے گھر جلائے جا رہے ہیں' عزت و آبرو سے کھیلا جا رہا ہے۔ ہندوستانی مسلمان تاریخ کی بدترین فسادات کی زد میں ہیں۔ پوری امت مسلمہ سو رہی ہے اور ع ''تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو'' یا ''ہم نے دنیا بھر کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا ہے'' والا معاملہ ہے۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ ایک دوسرے کے دکھ درد سے بیگانہ ہیں۔ کوئی بیمار ہے تو ہمیں اس کی عیادت کی فکر نہیں۔ اگر کوئی اللہ کو پیارا ہو جاتا ہے تو ہم اس کی نماز جنازہ میں شرکت کا فرض کفایا ادا کرنے کو ہی کافی سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن ذرا اللہ کے نبی ﷺ کے منہج معاشرت پر نظر ڈالئے۔ اپنے ساتھیوں کے ہی نہیں ان کے غم میں بھی نڈھال ہو رہے ہیں جو ان کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ اے نبیؐ! کیا آپ اس غم میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیں گے کہ یہ ایمان نہیں لاتے؟ آپؐ کو ایک درہم بھی گھر میں رکھنا گوارا نہ تھا بلکہ جلد از جلد اسے کسی ضرورت مند کو پہنچا دیا جائے۔ ہمارے پیسے بینکوں میں پڑے ہوتے ہیں۔ بینک والے ان پیسوں کو دوسروں کو قرض دے کر اس پر سود وصول کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے کس ساتھی کو کون سی مشکل درپیش ہے۔ شاید کہ بینک میں رکھے ہوئے یہ پیسے اگر قرض حسنہ کی صورت میں اسے دے دیئے جائیں تو وہ اس کی مشکل کا ازالہ ہو جائے۔ ہمارے ڈرائنگ روم کی ڈیکوریشن میں لاکھوں روپے صرف ہو جاتے ہیں لیکن افسوس ہمیں اس کی فرصت نہیں کہ اپنے کسی ایسے مسلمان بھائی کے گھر جائیں جو کسی کچی آبادی میں گزارا کر رہا ہے اور اس کی مشکلات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آج اس پر غور کی ضرورت ہے۔ اس کا ازالہ کرنا ضروری ہے اور یہ منہج معاشرت نبویؐ پر عمل کر کے ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی ہمیں آج اپنے معاشرے میں منہج انقلاب نبویؐ کے تصور کے ساتھ ساتھ منہج معاشرت نبویؐ کو بھی عام کرنے کی طرف توجہ دینا ہوگی۔

(محمد سمیع' کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رفقاء واحباب توجہ فرمائیں!

اللہ کے دین اور اس کے آفاقی پیغام کو پوری نوع انسانی تک پہنچانا مسلمانوں کا اجتماعی دینی فریضہ ہے۔ اسی کا نام ''شہادت علی الناس'' ہے۔ قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی عظیم ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے اس امت کا قیام عمل میں لایا گیا تھا' اور امت کے موجودہ زوال و انحطاط اور ذلت و رسوائی کا اصل سبب بھی یہی ہے کہ امت نے اس ذمہ داری سے گریز اور پہلوتہی کی روش اختیار کر رکھی ہے ـــــ آج اس ذمہ داری کا بوجھ امت کے ہر ہر فردِ بشر پر ہے ـــــ لیکن افسوس کہ آج خود مسلمان اس بات کے محتاج ہیں کہ سب سے پہلے انہیں قرآن کی آفاقی تعلیمات اور دینِ حق سے روشناس کرایا جائے۔ تاہم دوسروں تک دین کی دعوت کو مناسب طور پر پہنچانے کے لئے بنیادی دینی علوم سے بہرہ ور ہونا اور قرآن کی فکری و عملی رہنمائی سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کا اجراء اسی مقصد کے پیش نظر کیا گیا تھا تاکہ وہ لوگ جو اپنی دنیاوی تعلیم ایک حد تک مکمل کر چکے ہوں اور اب قرآن کا فہم حاصل کرنے کے لئے بنیادی دینی علوم کے حصول اور عربی زبان سیکھنے کے خواہشمند ہوں وہ اس کورس سے فائدہ اٹھائیں اور پھر قرآنی تعلیمات کے فروغ اور دعوت دینی کے کام میں اپنا حصہ ادا کریں۔

اسی کام کو وسعت دینے اور آگے بڑھانے کی خاطر تنظیم اسلامی مستقبل قریب میں مرکزی انجمن کے تعاون سے درج ذیل مزید تعلیمی پروگرام شروع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

آیئے! نبی اکرم ﷺ کے فرمان: ((خیر کم من تعلم القران و علمه)) کی رُو سے اس بہترین کیریئر کو اختیار کرنے کا عزم کیجئے!

1. اعلیٰ علمی سطح پر دین کے فہم اور اس دور میں دین کے تقاضوں کے ادراک کے لئے (ایک/دو سالہ ایڈوانس رجوع الی القرآن کورس).....(کل وقتی)
2. ایم اے اسلامیات (پارٹ ون اور ٹو) کے پرائیویٹ امتحان کی تیاری (دو ماہ کی سپیشل ورکشاپ).....جدید تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام مضامین کے کورس ورک کی تیاری
3. بنیادی عربی گرامر' تجوید' مبادی حدیث وفقہ' مبادی علم قرآن وغیرہ کے لئے (ایک/دو/تین/چار ماہ کے مختصر کورس).....ایوننگ کلاسز

ان پروگراموں میں شرکت کے خواہشمند افراد جلد از جلد اپنے کوائف مندرجہ ذیل فارم کے مطابق ارسال فرمائیں:

نام: _____ عمر: _____

خط و کتابت کے لئے پتہ: _____

تعلیمی قابلیت: _____ موجودہ مصروفیات: _____

کس پروگرام میں دلچسپی رکھتے ہیں (1,2,3) _____

اپنی رائے سے آگاہ کرنے نیز مزید معلومات اور کوائف بھیجنے کے لئے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کیجئے:

حافظ عاکف سعید' مدیر اکیڈمک ونگ' قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

E. Mail: anjuman@tanzeem.org

تنظیم ا[illegible] بسری

شب بسری کا یہ پروگرام ۱۶ مارچ کو منعقد ہوا۔ اس کا آغاز مطالعہ ''منہج انقلاب نبوی'' سے ہوا جسے جناب اعجاز لطیف نے کنڈکٹ کیا۔ اپنی گفتگو کے دوران وہ رفقاء سے مختلف سوالات بھی کرتے رہے۔ بعد ازاں جناب فیصل منصوری نے جو حال ہی میں فریضۂ حج ادا کر کے لوٹے ہیں، حج کی فرضیت اہمیت اور فضیلت کے موضوع پر قرآن و حدیث کے حوالے سے گفتگو کی۔ انہوں نے مناسکِ حج کی تفصیلات اس انداز میں بیان کیں کہ شرکاء کے دلوں میں حج کی سعادت حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

اگلی صبح ساڑھے چار بجے شرکاء کو نمازِ تہجد کے لئے بیدار کیا گیا۔ نماز فجر کے بعد جناب شجاع الدین شیخ نے اس حدیث پر گفتگو کی جس میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اختلاف امت کی صورت میں آپ ﷺ کی اور خلفاء راشدین و المہدیین کی سنت سے راہنمائی حاصل کی جائے اور بدعت سے پرہیز کیا جائے کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے جس کا انجام آتش دوزخ ہے۔

ناشتہ کے بعد نوجوان رفیق جناب حافظ نعمان اختر نے سورۃ الحدید کے دوسرے رکوع کے حوالے سے انسانی زندگی کے مختلف ادوار اور ان کی حقیقت پر گفتگو کی۔ گو کہ انہیں پہلی مرتبہ اس فورم پر درسِ قرآن دینے کا موقع ملا تھا لیکن انہوں نے پورے اعتماد سے اس فریضے کو ادا کیا۔ جناب اختر ندیم نے حالات حاضرہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ پورا عالم اسلام اس وقت غیر اقوام کے مظالم کی زد میں ہے۔ اُمت مسلمہ میں اتحاد و اتفاق کا فقدان ہے جبکہ وقت کا تقاضا ہے کہ ایک مشترکہ طریقہ کار وضع کیا جائے اور غلبۂ دین کے لئے مشترکہ کوششیں کی جائیں۔ آخر میں جناب نوید احمد نے منتخب نصاب میں سے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کے حوالے سے ایک بندۂ مومن کی تکمیلی صفات کا سوال و جواب کی صورت میں مطالعہ کروایا۔ (رپورٹ: محمد سمیع)

تنظیم اسلامی کراچی (شرقی) کے ماہانہ دعوتی پروگرام

گلستان انیس کلب، شہید ملت روڈ اور میٹ اینڈ ٹریٹ میرج ہال، گلشن اقبال میں ہر ماہ کے دوسرے اتوار کو ایک ہی موضوع پر لیکچر کا اہتمام ہوتا ہے۔ ۱۰ مارچ کا موضوع ''ایمان بالآخرۃ'' تھا۔ مقررین بالترتیب جناب اعجاز لطیف اور جناب عامر خان تھے۔ جناب عامر خان نے اپنے لیکچر میں کہا کہ آخرت پر ایمان کی تقویت کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس دنیا کی زندگی کو عارضی اور عرصۂ امتحان سمجھیں اور آخرت کی زندگی کے دائمی ہونے کا یقین دلوں میں راسخ ہو۔ اپنے اعمال پر اللہ تعالیٰ کی باز پرس کا یقین جتنا گہرا ہوگا، ہمارے اعمال کی سمت اتنی ہی درست رہے گی۔ شفاعت باطلہ کے تصور نے آخرت کی باز پرس کی حقیقت کو دھندلا دیا ہے۔ انہوں نے لوگوں کے سوالوں کے جوابات بھی دیئے۔ گلستان انیس کلب میں حاضری تقریباً ۱۴۰ جبکہ میٹ اینڈ ٹریٹ میرج ہال میں تقریباً ۴۵ حضرات و خواتین رہی۔ (رپورٹ: محمد سمیع)

تنظیم اسلامی گوجر خان کا ماہانہ تربیتی پروگرام

یہ پروگرام ۲۸ مارچ کو بعد نماز عصر تنظیم کے مقامی دفتر میں منعقد ہوا۔ جناب حامد شاہ نے قرآن پاک کی تلاوت کی۔ جناب حافظ مجید ندیم نے آیۂ بِرّ کی روشنی میں ''نیکی کا حقیقی تصور'' بیان کیا۔ جناب اللہ دتہ نے دنیاوی زندگی کی بے ثباتی پر ایک پنجابی نظم پڑھی۔ جناب فاروق حسین نے، جو اس سال حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے آئے ہیں، اس مبارک سفر کی روداد بیان کی۔ دینی فرائض کے جامع تصور کی منازل جناب محمد اسماعیل، جناب اللہ دتہ اور جناب مختار احمد نے بیان کیں۔ جناب خلیل اللہ بھٹی نے پردے کے شرعی احکامات بیان کئے۔ جناب ساجد حسین نے علامہ اقبال کے چند اشعار پڑھے اور ان کی تشریح بھی بیان کی۔

نماز عشاء اور کھانے کے وقفہ کے بعد راقم نے جہاد فی سبیل اللہ کے منازل اور مراحل بیان کئے، جس کے بعد اسی موضوع پر تمام رفقاء کے درمیان سوال و جواب کی صورت میں ایک مذاکرہ ہوا۔ آخر میں تنظیم اسلامی گوجر خان کے امیر جناب مشتاق حسین نے رفقاء سے تنظیمی اور تربیتی معاملات پر مشورہ کیا۔ رات ساڑھے دس بجے دعا کے ساتھ یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ اس میں ۱۹ رفقاء نے شرکت کی۔ (رپورٹ: مرتضیٰ شاہ)

تنظیم اسلامی فیروز والا کا ماہانہ تنظیمی اجتماع

یہ اجتماع جامع مسجد حیدری، رچنا ٹاؤن میں ۱۷ مارچ کو منعقد ہوا۔ اس میں حلقہ لاہور کے امیر جناب مرزا ایوب بیگ اور ناظم جناب عمران چشتی نے خصوصی طور پر شرکت کی۔ حلقہ کے ان دونوں رہنماؤں کے اس خصوصی دورے کا مقصد مقامی رفقاء سے تبادلہ خیال اور تنظیم کی رفتار کار میں اضافہ کی منصوبہ بندی کرنا تھا۔ اس اجتماع میں مقامی رفقاء کی اکثریت نے شرکت کی۔

اجتماع کا آغاز جناب اقبال حسین نے تلاوت قرآن مجید سے کیا۔ بعد ازاں تلاوت کردہ آیات کے حوالے سے تذکیر کرائی گئی۔ تنظیم اسلامی فیروز والا کے امیر جناب افتخار احمد نے تمہیدی کلمات ادا کرنے کے بعد حلقہ لاہور کے امیر کو رفقاء سے خطاب کرنے کی دعوت دی۔ جناب مرزا ایوب بیگ نے کہا کہ رفقاء تنظیم کو اپنی دینی و تنظیمی ذمہ داریوں کا جائزہ لیتے ہوئے خود احتسابی کا ناگزیر مگر اہم فریضہ ادا کرتے رہنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ دعوت و تبلیغ کے حوالے سے دین کی تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ داعیانِ حق نے یہ فریضہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی ادا کیا۔ ایک اسلامی انقلابی تنظیم کے رفیق کی حیثیت سے ہمیں اپنی دینی ذمہ داری کو ہر روز بذریعہ دعوت ادا کرنا ہوگا۔ انہوں نے عہد نامہ رفاقت کی عبارت پڑھ کر رفقاء کو ان کی اصل ذمہ داری پھر سے یاد کروائی۔ انہوں نے کہا کہ رفقاء اپنے ماضی پر شرمندہ ہونے کے بجائے حال اور مستقبل میں خود پر عائد دینی فرائض کو پوری ذمہ داری سے ادا کرنے کا عہد کریں۔ ہر رفیق کو دین کا کچھ نہ کچھ کام اپنے ذمہ لینا چاہئے اور اپنے نظام الاوقات میں سے کچھ وقت اس مقصد کے لئے مختص کرنا چاہئے۔ آخر میں انہوں نے ہر رفیق سے اس کے معمولات کے علاوہ دعوت دین کے لئے کام کی نوعیت اور وقت کی تحدید کو بھی معین کروایا۔

ایصال ثواب کے لئے دعا

☆ تنظیم اسلامی لاہور (شرقی) کے ملتزم رفیق اور قرآن اکیڈمی کے شعبہ خط و کتابت کے رکن جناب امجد علی کے سسر جناب برکت علی انتقال فرما گئے ہیں۔

☆ تنظیم اسلامی کراچی (وسطی۲) کے دیرینہ رفیق جناب سید شاہد علی طویل علالت کے بعد وفات پا گئے ہیں۔

☆ تنظیم اسلامی گوجر خان کے رفیق جناب ذوالفقار احمد کے والد محترم رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔

☆ اسرہ دھمیال کیمپ، راولپنڈی کے نقیب جناب اشتیاق حسین کے والد بقضائے الٰہی انتقال کر گئے ہیں۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

قارئین سے تمام مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ **اللھم اغفرلھم و ارحمھم وادخلھم فی رحمتک و حاسبھم حساباً یسیرا**

ضرورت رشتہ

۲۰ سالہ بی اے پاس لڑکی اور ۳۰ سالہ سرکاری ملازم نوجوان کے لئے دینی مزاج کے حامل رشتے درکار ہیں۔ فوری رابطہ کیجئے: شجاعت حسین، مکان نمبر L-292، ایریا 5-C/2، بلال ٹاؤن، نارتھ کراچی۔ فون: (021) 6901757

ضرورت رشتہ

عمر تقریباً 23 سال، ایم سی ایس بمعہ دینی تعلیم، نماز روزہ کی پابند بچی کے لئے مناسب رشتہ درکار ہے۔

رابطہ کے لئے:

معرفت ندائے خلافت 36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے زیر اہتمام

فلسطینی مسلمانوں پر اسرائیلی مظالم کے خلاف

احتجاجی جلسہ و مظاہرہ

14 اپریل 2002ء بروز اتوار 12 بجے دوپہر

پریس کلب، شملہ پہاڑی لاہور میں ہو رہا ہے

شرکت کی عام دعوت ہے

making it completely dependent on the state and by concentrating in government hands the selection of key religious leaders. The General might be thinking to cow the "mullahs" completely by giving them dramatic proofs of the high and certain cost of opposition to the regime's policy.

True enough, in Turkey the General's favourite reforming dictator had taken on the Islamic establishment, deliberately provoking in every conceivable way a religious reaction. Indeed, like Musharraf, Ataturk viewed Islam as the principal cause of ignorance, poverty and weakness in the country. But Ataturk's situation was different from the Shah of Iran and the General in Pakistan in crucial ways. Kemal was an authentic national hero, the victor of Gallipoli and the only Turkish commander to emerge victorious from the calamity of World War I. The nation didn't witness his obsequiously shaking hands with a sworn enemy of the country at an uncalled for occasion. The General, in contrast, far from being a national hero, has exuded for many the unmistakable aroma of dependence on toeing the US line.

Ataturk ruled over a country in which the hold of religion on great strata of the masses had grown weak. In the General's Pakistan, however, Islam is not only still imbedded in the popular conscience, it is growing stronger, especially after pouring in the ever-growing evidence that the US and Israeli governments were behind the gory September 11 drama. If Musharraf is not like Ayub Khan and General Zia, so was there no war on Islam in progress at that time. Besides using the brain-less ideology to justify police state methods, the General justify his heavy-handed authoritarianism by economic results. No matter how much the General may strive with the borrowed support of the capitalist institutions, he can never achieve the economic progress made by the Shah in Iran.

The General claims to be working for poverty alleviation. There is no poverty in the country to alleviate. It is only mismanagement, misallocation and unequal distribution of funds and resources that need to be tackled internally - not through unduly pleasing Washington or borrowing more and more from the capitalists bloodsuckers. Musharraf doen't need to visit homes of the suffering poor to hug them, as he said in his speech, he only needs to drastically slash the defence spending, because we have found out alternative ways to defence any way: blame Islam for everything wrong, renounce the philosophy of Jihad, crave for secularism and you need no nuclear or conventional deterrence. The majority in Iran got tuned to Khomeini's sermons because they "were both uprooted from their familiar austere way of life and confronted daily by foreign and secular influences that scandalised and frightened them," (Anthony James, From the Barrel of a Gun, 1986, Pergamon-Brassey's, page 84).

The most important of all, the General is allowed to dictate the country for another five years because Washington is pleased and can do "business as usual" with him. But so was it with Zia until the fateful day in August 1988. And so was it with the Shah of Iran and Manuel Noriega and others. General Musharraf better take a lesson from history and not close his eyes to the reality that a real referendum will never - repeat never - allow him to rule for another five years. Getting emotional or uttering uncivilized words leave no difference between the so-blamed politicians and the so-called reformer. Even those who are in favour of reform would never vote for a dictatorship.

None of the earlier dictators failed to achieve the desired results when they sit next to the flag of Pakistan with a portrait of Qaid-e-azam in the background. None of them failed to achieve the desired results. So would not the present General, but the state would fail because this time nothing short than the ideology of Pakistan is at stake. Democracy, as we witness around the world, has never been and would never be a good governing system for the Muslims. As a label, democracy doesn't legitimise the spectrum of dictatorships from mild-police states to pure despotic regimes.

Irrespective of our attempts to please the non-Muslims at the cost of losing Pakistan's raison d'être, we need a complete bi-polarity in the country with a subsequent referendum on the core issue of secular vs. Islamic state. Undoubtedly, authoritarianism thrives. It is not, however, too late for the religious parties to join hands, let all the willing and able Pakistanis participate -- regardless of their political affiliations, think of an alternative to the present form of government and give the public a convincing model and manifesto for an Islamic state. This is the only way to throw out the corrupt politicians, opportunistic military dictators and religious leaders, concerned with nothing more than a leadership label and the authority to raise empty slogans for an Islamic system in the country. Anything less than that would bring us closer to the fall of Pakistan with each passing day.

Letter to Editor

Does President Bush Read Nida?

Does President Bush read Nida? If not, you should send him a subscription. I say this because it doesn't seem the president realizes the great sin he is committing as he works against the core of pakistan's ideology. He doesn't realise that Pakistan is on the brink of chaos and anarchy. How long will he silence or controle through the barrel of a gun. Sooner or later – hopefully sooner -- he will realize the situation badly needs a subscription from the Quran. Why not let Nida-i-Khilafat take the credit for enlightening President Bush about the problem in Pakistan? Send him the English portion of it at the very least.

Hayat Kamil
Gomal University DI Khan

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail: Abidjan@tanzeem.org)

How to Shed Authoritarianism?

Pray that General Musharraf succeeds in what he claims to wish for Pakistan.Pray, because it's hard for logic to convince you that he or someone else will. The challenge comes in piercing the lack of hope and trust that now dominates the fellow countrymen and women due to lack of alternatives.

Distrust and hopelessness deepens with each military man's seeking new ways to perpetuate his rule. They have deepened after the General's announcement that he intends to stay; come what may. His latest speech has further removed the remaining doubts about our living under a martial law without a martial law. The tone and expressions of the near-god General clearly revealed that he would remain head of everything that matters in Pakistan irrespective of our accepting the referendum idea. The two hours dictation was only to inform the public that they have to bear with him at least for another five years.

In total contrast to his post-take over speech, the weightlessness of words in the General's latest lecture demonstrated that a true dictatorship requires juxtaposition of two factors: (1) a powerful racial or intellectual>minority (or majority) in direct opposition to the ideology of the regime and (2) a regime with the political will, bureaucratic muscle and military power to enforce its ideology by suppressing that minority (or majority). The majority - which the General considers as the minority - in our case, is comprised of all those Pakistanis who believe in what is inscribed on their passports and other government documents: an "Islamic Republic." The borrowed, official ideology is based on modernization through "liberalism" and "secularism" - churning on in a political vacuum.

If the post September 11 success in pleasing the US - the rock upon which the General is establishing his rule - is vulnerable, his core ideology is even more vulnerable. An ideology, to survive as anything more than a fossil, must triumph. An ideology that is not in a position to shape majority opinion - in this case, among the Muslims - will, in time, be itself shaped by the majority opinion. Half a decade or perhaps full can, with heroic idealism, hold out against the real ideology of Islam (guidelines for an Islamic state) and Pakistan, but as the years pass, a decent respect to the opinion of true believers comes into play.

Economy, security, stature among the world community, etc on Musharraf's agenda come after, not before the core ideology and basis for the existence of a nation. It is not strange that there is almost a total silence about General Musharraf's throwing that core ideology to the wolves in his January 12 speech with an eight word declaration: "There is no role for religion in politics." This is what bloodhounds in the West would like to accomplish through supporting extension of the General's dictatorship for another five years. There seems to be a silence over this issue in the country because even the most steadfast of true believers begin to doubt a cause that the entire world scorns. General Musharraf's borrowed ideology of secularism, however, might also not succeed and sustain as long as his western advisors are predicting for him.

Despite the General's harsh criticism, the analysts and intellectuals sitting in this society can see far better than his advisors in Washington. In 1968, when Samuel P. Huntington published his Political Order in Changing Societies, he was only able to tell the world on page one that "Communist totalitarian states and Western liberal states both belong generally in the category of effective rather than debile political systems" and that the systems of both groups of countries embody "consensus, community, legitimacy, organization, effectiveness, stability." In the Soviet Union, however, Mikhail Gorbachev saw what Huntington could not have seen twenty years earlier: that his country was little more than an incoherent assembly of browbeaten citizens, angry consumers, disillusioned ideologues and rebellious nationalists.

The same is true with the Western secularism. Remember when Lenin died in 1924, communism was already dying as an ideology in the Soviet Union, though it continued to thrive as a religion in the West. Liberalism, too, is thriving among the Muslim "moderates" as a religion these days despite its so obvious demise in the west - demise in the sense that coupled with secularism, the negative consequences have far outweighed its much vaunted benefits. Insecure leaders like Musharraf, ruled by the lust for more power and fear, are as nervous and as little driven by alien ideology as Wall Street speculators. They, being too weak to perfect their police states, live in fear and trembling, more concerned with surviving than with ruling. They cannot see that like a Potemkin village built for Athrine II of Russia, the secular bulwark states in the Muslim and non-Muslim world look so powerful and stable from outside but, in truth, have nothing behind them.

Like the Shah, who, too, was committed to the "modernization" of Iran, General Musharraf is facing increasing hostility from those who believe in the ideology of Pakistan and have genuine reasons for their deep and increasing resentment. The Shah was also not unaware of the growing antagonism to his policies and his person. The General believes that the followers behind religious parties would forever remain dumb and divided, even when all the doors of opportunity are gradually shut on them and they realise the futility of participation in elections for merely sustaining a system that would never help establish an Islamic state in the country. The General is not unaware of the growing antagonism of the political leaders in general and religious leaders in particular to his policies and persons, a problem of no minor dimensions. Like the Shah of Iran he is trying to take total control of the religious sector by